فہرست

فطرت کے خلاف

میں نہیں بولا

مجھے مکان چاہیے

بھڑیا اور سارس

رزق

چوہے اور مینڈک

ظالم حاکم

ٹوٹا ہوا سینگ

بندے کا اختیار

گدھا اور لومڑی

ایسی دعا مت کرنا

دشمن

آقا کو نہیں بھولے

شیر اور شکار

علم کا درخت

دوسرا بچہ

ہیرا اور جوہری

گدھا، شیر اور لومڑی

لومڑی اور بکری

میرا پیٹ بھر گیا ہے

تیرا خواب سچا ہے

بدصورت غلام

حرف آغاز

اخلاقی کتب میں جو بلند مقام مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ کی مثنوی شریف کو حاصل ہے وہ بہت کم کتابوں کو نصیب ہوتا ہے۔ مثنوی شریف اگرچہ تصوف کی کتاب ہے مگر مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ نے اس میں عام فہم انداز میں ایسی دلچسپ حکایات کو بیان کیا ہے کہ صدیوں گزرنے کے باوجود روز اول کی طرح آج بھی انہیں بڑے شوق سے پڑھا جاتا ہے۔ مولانا روم کے حالات زندگی پر نگاہ ڈالنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ کا شجرہ نسب حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے تھے۔ آپ 604ھ میں بلخ میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ باعمل صوفی تھے۔ مثنوی شریف انسانوں کے لے رشد و ہدایت کا ایسا خزانہ ہے جس سے استفادہ کر کے بھٹکے ہوئے انسانوں کو سیدھا راستہ دکھایا جا سکتا ہے۔ مولانہ اگرچہ 68 سال کی عمر میں 672ھ کو انتقال کر گئے مگر مثنوی شریف کی شکل میں روشنی کا ایسا منبع چھوڑ گئے جس سے تاقیامت استفادہ کیا جاتا رہے گا۔ اس کتاب میں مثنوی شریف سے کچھ حکایات کا انتخاب پیش کیا گیا ہے۔ جس سے ہر طبقے کے افراد مستفید ہوسکیں گے۔

ابن علی

یہی بادشاہی ہے

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت ابراہیم ادھم رحمتہ اللہ علیہ دریا کے کنارے پر بیٹھے اپنی گدڑی سی رہے تھے اچانک وہاں سے ایک وزیر کا گزر ہوا اس نے جو حضرت ابراہیم ادھم کو اس حالت میں دیکھا تو بڑی حیرت کا اظہار کیا اور کہنے لگا کہ کس قدر عظیم سلطنت کے مالک ہیں اور فقیری کو اختیار کر رکھا ہے بادشاہ ہو کر فقیروں کی طرح گدڑی سی رہے ہیں۔ جبکہ ادھر ان کے نہ ہونے سے سلطنت برباد ہوئی جارہی ہے۔ حضرت ابراہیم ادھم رحمتہ اللہ علیہ نے کشف کے ذریعے سے اس کے دل کی بات معلوم کر لی۔ اور اس کو اپنے قریب بلایا۔ وہ وزیر آپ کے قریب آیا تو آپ نے اس سے فرمایا تو نے اپنی سمجھ کے مطابق بات کی ہے۔ اس کے بعد آپ نے اپنی سوئی دریا میں پھینک دی اور پھر بلند آواز سے پکارا کہ میری سوئی مجھے دو۔ اچانک دریا کے اندر سے ہزاروں مچھلیاں اپنے اپنے منہ میں سونیب کی سوئی دبائے ہوئے پانی سے باہر نکلیں۔ حضرت ابراہیم ادھم رحمتہ اللہ علیہ نے پھر آواز دی۔ اے اللہ! مجھے صرف میری سوئی چاہیے چنانچہ اسی وقت ایک دوسری مچھلیل برآمد ہوئی جس کے منہ میں حضرت ابراہیم ادھم رحمتہ اللہ علیہ کی سوئی تھی آپ نے سوئی اس مچھلی سے لے لی۔

اس کے بعد آپ نے اس وزیر کی طرف توجہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ بادشاہی اچھی ہے یا وہ حقیر سلطنت کی بادشاہی۔ پھر خود ہی فرمایا، یقیناً یہ بادشاہی حقیقی بادشاہی ہے اور سب سے اچھی ہے۔ یہ سن کر اور دیکھ کر وزیر نے معذرت کی اور اپنی راہ پر چل دیا۔

مور کے پر

ایک طاؤس (مور) جنگل میں کھڑا اپنے خوبصورت پر نوچ کر پھینک رہا تھا۔ایک عقل مند یہ دیکھ کر بڑا متعجب ہوا اور بولا۔اے طاؤس! تیرا دل کس طرح گوارا کرتا ہے کہ تو اپنے خوبصورت پروں کو بڑے ذوق وشوق سے اٹھا کر قرآن شریف جیسی مقدس کتاب کے اندر رکھ لیتے ہیں۔اور محبوبان جہاں ان کے پنکھے بنا کر اپنے خوبصورت چہروں کو ہوا دیتے ہیں۔یہ تیری بڑی ناشکری اور گستاخی ہے کہ صانع کی ایسی پر نقش ونگار چیز کو اس قدر بے قدری سے ضائع کر رہا ہے۔

مور یہ سن کر منہ سے کچھ نہ بولا۔مگر اس کی آنکھوں سے خودبخود آنسو رواں ہو گئے۔چونکہ وہ درد دل کا پتہ دیتے تھے۔اس لیے سب اشک ریزی سے متاثر ہوئے۔جب آنکھوں کی راہ وہ اپنی دل کی آگ نکال چکا تو بولا اے، دانا، انسان اب میری بات بھی سن لے تو میرے خوشنما پروں و دیکھتا ہے مگر میں اپنے عصبوں کو دیکھ کر اشکبار رہوں۔نہ میری گوشت میں مزا ہے نہ پاؤں میں۔خوبصورت لوگ میری پروں کی تعریف کرتے ہیں۔اور میں اپنی زشت پائی سے خجل (شرمندہ)ہوں۔صرف میرے پر ہی ہیں جن کے لیے شکاری میری تلاش میں رہتے ہیں۔اور مجھے مار گراتے ہیں۔کاش گوشت اور پاؤں کی طرح میرے پر بھی خراب ہوں۔اور میری نیلگوں گردن بھی بدصورت ہوتی تاکہ میں شکاریوں کا نشانہ نہ بنتا۔میں اپنی دم کے پر نوچ کر پھینک رہا ہوں۔تاکہ مجھے لنڈورا دیکھ کر شکاری میری جان لینے کے درپے نہ ہوں۔

ہنر اور اختیار انہی کو سود مند ہے جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں ورنہ یہ ہنر اور اختیار ان لے لئے ہے ویسا ہی وبال بن جاتا ہے جس طرح مور کے لئے پر۔

گمشدہ اونٹ

حضرت ابراہیم ادھم سلطنت کے بادشاہ تھے ایک رات کا ذکر ہے کہ آپ اپنے محل میں سو رہے تھے آدھی رات کے وقت چھت پر کھٹکا ہوا اور شور وغل سا مچا آپ کی آنکھ کھل گئی کان لگا کر سنا تو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے چھت پر بھاری بھاری قدموں سے کوئی چل رہا ہے۔ حضرت ابرہیم ادھم رحمتہ اللہ علیہ نے دل میں خیال کیا کہ یہ کس کی جرات ہے جو آدھی رات کے وقت محل کی چھت پر چلا رہا ہے پتہ نہیں کون ہمت والا ہے۔ یقیناً یہ کوئی انسان نہیں بھوت ہے آپ نے محل کی کھڑکی کھولی اور اپنی گردن باہر نکال کر چھت کی طرف منہ کرتے ہوئے اونچی آواز سے پکارا، کون ہے؟ عجیب وغریب قسم کے لوگوں نے سر نیچے کر کے جواب دیا ہم رات کے وقت کسی کی تلاش میں پھر رہے ہیں۔ حضرت ابراہیم ادھم رحمتہ اللہ تعالٰی علیہ نے حیران ہو کر پوچھا، کیا تلاش کر رہے ہو؟ وہ کہنے لگے، ہم اونٹ کو تلاش کر رہے ہیں۔ حضرت ابراہیم ادھم رحمتہ اللہ تعالٰی علیہ بولے، ک بھی کسی نے گمشدہ اونٹ کو چھت پر تلاش کیا ہے۔ یہ سن کر وہ بر جستہ کہنے لگے۔ کیا کسی نے بادشاہی کے عالم میں تاج وتخت پا کر فقیری کو تلاش کیا ہے۔ یہ سننا تھا کہ آپ پر عجب بے خودی کی کیفیت طاری ہو گئی دل پر اس بات نے اثر کیا اور اسی وقت سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر پہاڑوں کی طرف نکل گئے۔ اور دنیا سے چھپ کر اللہ تعالٰی کی عبادت میں مشغول ہو گئے۔

باتیں ہی باتیں

کسی شخص کے پاس ایک گدھا تھا۔ ایک دن وہ اسے بیچنے چلا گدھے کو لے کر گھر سے روانہ ہوا تو اسکا بیٹا بھی ساتھ ہولیا۔ وہ دونوں گدھے کو لئے چلے جا رہے تھے۔ کہ ایک کنویں پر عورتیں پانی بھر رہی تھیں باپ بیٹے کو گدھے کے ساتھ پیدل چلتے دیکھا تو ہنسنے لگیں آپس میں یہ باتیں کرنے لگیں کہ یہ دونوں کتنے احمق ہیں کہ سواری پاس ہے اور پیدل چلے جا رہے ہیں۔

یہ بات باپ نے سن لی اور اپنے بیٹے سے کہ کہ تو بیٹھ جا گدھے پر میں پیدل چلتا ہوں۔۔ اور بیٹا گدھے پر سوار ہو گیا۔ ابھی وہ تھوڑی دور گئے تھے کہ ان کو کچھ دانشور ملے۔ جب ان پر نظر پڑی تو ایک نے کہا کہ دیکھو جی! کیسا زمانہ آ گیا ہے۔ جوان بیٹا سواری پر بیٹھا ہے اور بوڑھا باپ پیدل چل رہا ہے۔ یہ بات بیٹے نے سنی تو گدھے سے نیچے اتر آیا اور اصرار کر کے باپ کو اس پر سوار کر دیا۔ اور چلتے گئے۔

ابھی وہ تھوڑی دور گئے تھے کہ انہیں جوان لڑکیوں کی ایک ٹولی ملی ان میں سے ایک کہنے لگا۔ دیکھو! یہ بوڑھا سنگدل ہے۔ خود تو سواری پر بیٹھا ہے اور بیٹے کو پیدل چل رہا ہے۔

یہ سنا تو باپ نے بیٹے کو گدھے پر سوار کر لیا۔ اور ابھی وہ تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ راہ چلتے ان کو کچھ آدمی ملے۔ ایک شخص نے بوڑھے سے کہا۔

”میاں! کیا یہ گدھا تمہارا ہی ہے۔ ہمیں تو یقین نہیں آ رہا ہے وہ مر رہا ہے اور تم کو پروا نہیں ہے دو آدمی ایسے دبلے پتلے گدھے پر سوار ہوں ہم نے آج ہی دیکھا ہے۔ “

یہ سنا تو باپ بیٹا دونوں پیدل چلنے لگے۔ باپ نے کہا۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔ ہر ایک کو دنیا میں کوئی خوش نہیں رکھ سکتا۔

اللہ میرا محافظ ہے

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک یہودی حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا، اے علیؓ اگر آپ کو اس بات پر یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت کرتا ہے تو آپ کسی بلند قلعہ یا اونچے مکان کی چھت سے اپنے آپ کو گرا کر دیکھیں تا کہ مجھے بھی یقین آ جائے کہ آپ کو اپنے اعتقاد پر بھروسہ ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: بے شک مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ میرا محافظ ہے۔ لیکن بندے کو یہ حق نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی امتحان کے ذریعے آزمائش کرے یہ بات تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گستاخی ہے جس کا نتیجہ تباہی کے سوا کچھ نہیں نکلتا آزمانے کا حق تو اللہ تعالیٰ کو یہ کہ وہ اپنے بندوں کو آزمائے۔ میں تو بغیر دلیل کے اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری حفاظت فرماتا ہے۔

یہودی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی باتیں سنیں تو خاموشی سے اپنی راہ پر ہو لیا۔ اس حکایت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس پر کامل ایمان اور یقین ہونا چاہیے کہ زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور جان بوجھ کر موت کے منہ میں چھلانگ لگا دینا دانائی کی بات نہیں۔

خزانہ

ایک کسان کو یہ تمنا تھی کہ جس طرح وہ محنت سے کام کرتا ہے اس کے بیٹے بھی کریں۔ جبکہ اس کے بیٹے کچھ کاہل تھے۔ محنت سے جی چراتے تھے۔

اچانک کسان بیمار ہوا۔ علاج کیا مگر کوئی دوا کارگر نہ ہوئی۔ کسان مرنے لگا تو اس نے اپنے بیٹوں کو بلایا اور کہا۔

"دیکھو! میں تمہیں اک خزانے کی خبر دیتا ہوں اور وہ خزانہ میرے کھیت میں گڑا ہے۔ جب میرے کفن دفن سے فارغ ہو جاؤ تو اسے ڈھونڈ لینا۔"

اور کسان کے بیٹوں نے ایسا ہی کیا۔ باپ کے کفن دفن سے فارغ ہو کر کھیت کو چلے اور اس میں ہل چلایا۔ کافی گہری زمین کھود ڈالی مگر ان کو خزانہ نہ ملا۔ کسان کے بیٹے پسینے پسینے ہو گئے۔ مایوسی سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے آخر کار ہل چلائی زمین میں انہوں نے بیج بو دیا۔ پودے نکلے تو خوب پھلے پھولے۔ جب وہ فصل کاٹ کر لائے تو ان کا گھر غلہ سے بھر گیا۔ یہاں تک کہ بہت سا غلہ انہوں نے فروخت کر دیا پھر بھی ختم ہونے میں نہ آیا تو خوش ہو کر بولے۔

"اصلی خزانہ تو یہ ہے۔ اگر ہم یونہی محنت کریں تو یہ خزانہ ہمیں ہمیشہ ملتا رہے گا۔"

شیخ چلی اور جنازہ

ایک بچے کو اپنے باپ سے بڑی محبت تھی اتفاق سے اس کا انتقال ہو گیا اور جب اس کا جنازہ جا رہا تھا تو وہ لڑکا بھی جنازے کے ساتھ ساتھ چل دیا رو رو کر لڑکے کا برا حال ہو رہا تھا وہ بڑی چیخ و پکار کرتا جا رہا تھا اور کہتا تھا۔اے میرے پیارے ابا! آخر یہ لوگ تجھے کہاں لے جا رہے ہیں۔یہ تجھے مٹی کے نیچے دبانے کے لیے جا رہے ہیں اے میرے ابا! یہ لوگ تنگ و تکلیف دہ گھر میں لے جائیں گے نہ اس گھر مین بوریا ہے نہ بستر ہے نہ قالین ہے نہ کوئی روشن دان ہے نہ کوئی چراغ کہ جس سے رات کے وقت روشنی ہو سکے نہ اس میں کھانے پینے کے لیے کوئی چیز ہے۔اے ابا! اس گھر کا تو دروازہ بھی نہیں ہے نہ اس کی چھت ٹھیک ہے نہ بالا خانہ درست ہے اس گھر میں تو روشنی کا کوئی انتظام نہیں ہے نہ اس گھر میں مہمان کے لیے کنویں کا پانی ہے نہ اس کوئی ہمسایہ ہے کہ جس سے کوئی دل لگا سکے،اور جو مشکل وقت میں سہارا بن سکے۔ہائے میرے ابا! تیرے پیارے جسم کو یہ لوگ تنگ و تاریک گھر کے سپرد کر آئیں گے اس گھر میں کوئی خوشی سے نہیں جاتا۔

غرضیکہ وہ لڑکا اپنے باپ کی جدائی میں رو رو کر اپنا برا حال کر رہا تھا اور ساتھ ساتھ قبر کے اوصاف بھی گنتا جاتا تھا اور دونوں آنکھوں سے خون کے آنسو بہاتا تھا۔شیخ چلی اور اس کا باپ بھی اس جنازے کے ساتھ ساتھ جا رہے تھے شیخ چلی نے جو لڑکے کو اس طرح روتے اور یہ باتین کرتے ہوئے سنا تو اپنے والد سے کہنے لگا، اے والد محترم! اللہ کی قسم! یہ لوگ جنازے کو ہمارے گھر لے جا رہے ہیں۔اس کے باپ نے شیخ چلی سے کہا،اے میرے بیوقوف بیٹے نادانی کی بات نہ۔شیخ چلی بولا۔ اے ابا تو اس لڑکے سے علامتیں تو سن اس نے جو نشانیاں بتائی ہیں وہ سب ہمارے ہی گھر کی ہیں۔شیخ چلی کا جواب سن کر اس کا باپ بیچارہ چپ ہو گیا۔

غیر جنس

ایک چوہا اور مینڈک بڑے پکے دوست بلکہ پگڑی بدل بھائی بنے ہوئے تھے۔ ان کی گہری دوستی کو دیکھ کر دیکھنے والے کہتے تھے۔ کہ وہ دو قالب ایک جان۔ ان میں اس قدر محبت تھی کہ وہ ہر وقت اکھٹے رہا کرتے تھے۔ اور ایک لمحہ بھی جدائی گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ ایک دن چوہے نے کہا بھائی مینڈک جب تو پانی مین چلا جاتا ہے تو میں کنارے پر کھڑا تجھے بلاتا رہتا ہوں۔ مگر یہ آواز تجھے نہیں پہنچتی۔ میرا چلاتے چلاتے گلا بیٹھ جاتا ہے۔ جب تیری طرف سے کوئی جواب نہیں آتا تو میری جان کو بڑا عذاب ہوتا ہے مجھے ایک تجویز سوجھی ہے اگر تو بھی اسے پسند کرے وہ یہ ہے کہ کوئی ایسی چیز مل جائے جس کے ایک سرے میں میری ٹانگ بندھی ہو اور دوررتے سرے میں تیری۔ جب میں ملنا چاہوں تو ذرا سا اسے کھینچ دوں اور تو اشارہ پا کر باہر نکل آئے۔

مینڈک نے کہا یہ تجویز معقول ہے وہ دیکھ سامنے جولاہے کا گھر ہے اس کے تانے سے ایک لمبا اور مضبوط تار کاٹ لا۔ اس سے ہم اپنی ایک ایک ٹانگ باندھ لیں گے۔ چوہا فوراً دوڑا گیا اور وہاں سے ایک تار لے آیا۔ دونوں نے ٹانگیں باندھ لیں چوہا تو بل میں گھس گیا اور مینڈک پانی میں چلا گیا۔

ایک کوا یہ سب ماجرا دیکھ رہا تھا۔ وہ خوش ہوا کہ خوب تر مال ہاتھ لگا۔ وہ فوراً لپکا اور تار چونچ میں لے کر اوپر اڑا اس سے دونوں اپنی جگہ سے کھینچے چلے آئے۔ دیکھنے والے تعجب کرتے تھے کہ کوے نے مینڈک کو پانی سے کیسے نکال لیا۔ ایک دانا آدمی پاس کھڑا تھا۔ اس نے کہا یارو! اس کو جنس کی صحبت لے ڈوبی ہے۔ پانی میں رہنے والے نے خشکی کے جانور سے یارانہ گانٹھا۔ نتیجہ یہ ہو کہ جان گنوا بیٹھا۔ اب کوا اس کو بھی چوہے کے ساتھ نوچ نوچ کر کھانے لگا۔ اس واقعہ سے سبق حاصل کرو کہ غیر جنس ہمیشہ ہلاکت اور نقصان کا موجب ہوتی ہے۔

مٹی کے باٹ

ایک شخص کو مٹی کھانے کی بری عادت پڑی ہوئی تھی۔ اور وہ موقع دیکھ کر کسی بھی جگہ مٹی کا چسکا لگانے سے باز نہ آتا تھا ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ وہ چینی خریدنے کی غرض سے ایک دکان پر گیا اور دکاندار سے چینی طلب کی۔ دکاندار کہنے لگا چینی تو میرے پاس بہترین اور اعلیٰ کوالٹی کی موجود ہے لیکن میرے پاس باٹ مٹی کے ہیں لوہے کے باٹ نہیں رکھتا۔ مٹی خور بولا مجھے تو چینی کی ضرورت ہے باٹ چاہے لوہے کے ہوں یا مٹی کے اس سے کیا فرق پڑتا ہے اور دل میں خوش بھی ہوا کہ چلو یہاں پر بھی کھانے کو مٹی مل گئی ہے اگر موقع لگا تو اس دکاندار کے باٹ چکھوں گا۔

دکاندار نے باٹ ترازو کے پلڑے میں رکھے اور خود چینی لانے کے لیے دکان کے اندر چلا گیا مٹی خور نے اس موقع کو غنیمت جانا اور جلدی سے ایک باٹ کو اٹھا کر دانتوں سے تھوڑی سی مٹی کتر کر کھالی اسے بڑا مزا آیا پھر اس نے دوسرا باٹ اٹھایا اور اس میں سے تھوڑی سی مٹی کتر کر اپنی جیب میں ڈال لی کہ راستے میں اس کو کھاؤں گا۔ اس کی اس حرکت کو دکاندار نیب دیکھ لیا اور مسکرایا پھر دل میں کہنے لگا، اور اتار مٹی میرا کیا جاتا ہے۔ نقصان تو تیرا ہی ہوگا اتنا چینی کا وزن تمہیں کم ملے گا۔ اس کے بعد دکاندار نے ان ہی مٹی کے باٹوں سے چینی تولی اور مٹی خور کے حوالے کر دی۔ مٹی خور خوشی سے گھر کی طرف چل دیا دل میں بڑا خوش تھا کہ چینی بھی پوری لے آیا ہوں اور دکاندار کے باٹ کی تھوڑی سے مٹی کھا بھی آیا ہوں اور تھوڑی سی ساتھ بھی لے آیا ہوں۔

ایک ہاتھی

چند ہندوستانی **ملک** ایران میں نمائش کے لیے ایک ہاتھی لے گئے۔ اورا سے ایک تاریک گھر میں داخل کیا گیا۔تا کہ اسے کوئی بے چراغ نہ دیکھے چار شوقین رات کو ہاتھی دیکھنے آنے انہیں کہا گیا کہ یہ دیکھنے کا وقت نہیں ہے۔ انہوں نے اصرار کیا کہ ہم ابھی دیکھیں گے۔اور بخدا دیکھ کرٹلیں گے۔ ہمیں چراغ کی حاجت نہیں جو مانگو لے لومگر ہاتھی ابھی دکھادو۔ چناچہ ان میں سے ایک ہاتھی کے قریب گیا اس کا ہاتھ اس کے سونڈ (خرطوم) سے جا لگا۔ وہ باہر آکر کہنے لگا۔ہاتھی نلکے کی طرح گول مخروط اور لمبا ہے دوسرا اندر گیا تو اس کا ہاتھ اس کی ٹانگوں پر پڑا وہ بولا میں نے ہاتھی دیکھ لیا۔ہاتھی ستون کی طرح ہے۔تیسرے نے اس کے کانوں کو چھوا۔اور کہا ہاتھی تو پنکھے اور چھاج کیطرح ہے۔ہاں کچھ چوڑا اور نرم سا ہے۔ چوتھے کا ہاتھ اس کی پشت پر پڑا تو وہ بولا کہ ہاتھی تو تخت کے مانند ہے اگر ان کے ہاتھ میں شمع ہوتی تو ان مین اختلاف نہ ہوتا۔

دنیاداروں میں جو باہمی اختلاف ہے وہ جہالت کی تاریکی کیوجہ سے ہے۔اگر وہ نور علم سے مستفیض ہوں تو نہ لڑیں نہ جھگڑیں۔

قدرت کے کرشمے

ایک درخت پر ایک کبوتر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سامنے اس کی موت کھڑی اسے گھور رہی تھی۔ اور آسمان پر ایک باز پر پھیلائے کبوتر کے سر پر منڈلا رہا تھا۔ اور کبوتر پر جھپٹنے ہی والا تھا۔ اور شکاری اس پر تیر چلانے کو تھا۔ کبوتر بیچارا جائے تو کدھر جائے۔ زندہ بچنے کی کوئی امید باقی نہ تھی۔

کبوتر خدا سے دعا مانگ رہا تھا کہ مالک خالق اب تو ہی بچائے تو بچنے کی کوئی صورت نکل سکتی ہے وگرنہ موت اب یقینی ہے اسی اثنا میں خدا کی قدرت سے ایک سانپ گھاس سے رینگتا ہوا نکلا اور اس نے شکاری کے پاؤں پر کاٹ لیا۔ شکاری تکلیف سے چیخا۔ سانپ بڑا زہریلا تھا۔ شکاری کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔ تر اچانک کمان سے نکلا۔ اور خدا کی قدرت سے باز کبوتر پر منڈلاتے باز کو جا لگا۔ شکاری اور باز دونوں مر گئے اور یوں خدا کی قدرت سے کبوتر کی جان بچ گئی۔

چالاک درزی

ایک درزی اپنی چالاکی وہوشیاری میں بڑا مشہور تھا کچھ لوگ ایک جگہ پر بیٹھے اس درزی کی چالاکی کے قصے ایک دوسرے کو بڑھ چڑھ کر سنا رہے اور کہہ رہے تھے یار! وہ درزی تو بڑے کمال کا آدمی ہے ہم نے آج تک اس قدر عیار اور چالاک نہیں دیکھا کوئی کتنا ہی ہوشیار آدمی کیوں نہ ہو اور درزی کیسامنے بیٹھ کر اپنا کپڑا کٹوائے درزی پھر بھی اپنی چالاکی سے کام لے کر تھوڑا بہت کپڑا چوری کر لیتا ہے اور کسی کو پتہ ہی نہیں چلتا۔

ہر کوئی اپنے اپنے تجربے کے مطابق درزی کی چالاکی کے قصے سنا رہا تھا انہی لوگوں میں ایک سپاہی بھی بیٹھا ہوا تھا جو اپنے آپ کو بڑا عقل مند سمجھتا تھا۔ وہ درزی کی چالاکی کی باتوں کو سن کر چڑ گیا اور چڑتے ہوئے بولا، کیا بات کرتے ہو درزی کتنا ہی عیار کیوں نہ ہو میرے سامنے اس کی چالاکی بالکل نہیں چل سکتی اور مجھے وہ دھوکہ دینے کی جرات نہیں کر سکتا۔ اس کے ساتھ ہی سپاہی نے ترنگ میں آ کر کہا۔ لو بھئی اس بات پر شرط لگاتا ہوں کہ میں کل ہی اپنے کوٹ کا کپڑا اس کے پاس لے کر جاؤں گا اور اپنے سامنے کٹائی کرواؤں گا اور اس سے کہوں گا کہ میرا کوٹ سی دے۔ میں دیکھوں گا کہ وہ کس طرح میرے سامنے میرے کپڑے سے کپڑا چراتا ہے اگر تو اس نے مجھے اس معاملے میں دھوکہ دے دیا اور واقعی میرے کپڑے میں سے تھوڑا سے کپڑا چوری کر لیا تو میں اپنا یہ گھوڑا تم لوگوں کو دے دوں گا۔

سپاہی خود ہی اس طرح کی شرط لگا کر اگلے دن کوٹ کا کپڑا لے کر درزی کے پاس جا پہنچا اور کہنے لگا، ٹیلر ماسٹر صاحب! یہ میرے کوٹ کا کپڑا ہے اس کا کوٹ تیار کرنا ہے لیکن بات یہ کہ کپڑے کی کٹائی اسی وقت میرے سامنے کرو کیونکہ میں نے تمہاری چالاکی اور ہوشیاری کی بڑی کہانیاں سنی ہیں لیکن مین بھی کچھ کم نہیں ہوں تمہارے دھوکے میں آنے والا نہیں ہوں میں دیکھتا ہوں ناں کہ تم کتنے ہوشیار اور

چالاک ہو۔ درزی نے منہ اٹھا کر سپاہی کی طرف دیکھا اور دل میں ہنسا پھر کہنے لگا۔ حضور! تشریف رکھیں میں تو بڑا ایماندار آدمی ہوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے دل میں میرے بارے میں کسی غلط فہمی پیدا کر دی ہے۔ میرا تو یہی کام کرتے ہوئے ساری عمر گزر گئی ہے لیکن حرام جو آج تک کسی کا ایک گرہ کپڑا چوری کیا ہو۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ معاملہ فہم سپاہی ہیں ہر بات کی تہہ تک کو سمجھتے ہے۔ یقینی بات ہے کہ عقل مندی میں آپ سے بڑھ کر اور کون ہو سکتا ہے آپ کے سامنے بھلا کس کی مجال ہے کہ جو چالاکی و عیاری دکھائے اور پھر مجھ سا ناچیز تو آپ کے سامنے اس طرح کی چالاکی دکھانے کی ہرگز جرات نہیں کر سکتا۔

سپاہی درزی کی بات سن کر پھولے نہ سمایا اور دل میں بڑا خوش ہوا کہ درزی مجھ سے مات کھا گیا ہے۔ سپاہی نے اپنا کپڑا درزی کی طرف بڑھا دیا درزی نے قینچی سے کپڑا کاٹنا شروع کیا اب سپاہی چوکس ہو کر بیٹھ گیا اور اس نے نظریں درزی کی قینچی اور ہاتھوں پر گاڑھ دیں۔ درزی جہاں پر چالاکی و عیاری میں ماہر تھا وہاں پر وہ لطیفہ گوئی اور مسخرہ پن میں بھی اپنا جواب نہ رکھتا تھا بے شمار لطیفے اس کو زبانی یاد تھے اس نے جب سپاہی کو اس قدر چوکنا ہو کر بیٹھے دیکھا تو کپڑا کاٹتے کاٹتے ایک ایسا زبردست لطیفہ سنائے کہ جسے سن کر سپاہی ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گیا اور اتنا ہنسا کہ ہنستے ہنستے دوہرا ہو گیا۔ اسی ہنسی کے عالم میں اس کا سر کافی آگے کی طرف جھک گیا درزی اسی موقع کی تلاش میں تھا اس نے جلدی سے ایک گرہ کپڑا کاٹ کر چھپا لیا۔ اب سپاہی کی ہنسی رکی اور وہ دوبارہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اسے لطیفہ سن کر مزا آیا کہنے لگا۔ یار ماسٹر! لطیفہ تو تم نے بڑا زبردست سنایا ہے ایک اور سناؤ۔ درزی کب انکار کرنیوالا تھا اس نے جھٹ سے ایک اور لطیفہ داغ دیا یہ پہلے سے بھی زیادہ ہنسانے والا لطیفہ تھا اب تو سپاہی کا ہنسی کے مارے برا حال ہو گا اور ہنستے ہنستے اس کا سر زمین کے ساتھ جا لگا درزی نے پھر اس موقع کو غنیمت جانا اور تھوڑا سا مزید کپڑا چوری کر لیا

سپاہی کو پھر بھی پتہ نہ چلا ہنستے ہنستے جب اس کی حالت زرا سی سنبھلی تو سر اٹھاتے ہوئے بولا۔ یار ماسٹر! ایک لطیفہ اور سناؤ۔ درزی مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ سپاہی جی !لطیفہ تو ضرور ایک اور سنا دوں لیکن پھر تمہارا کوٹ زیادہ تنگ ہو جائے گا۔

گدھا اور گھوڑے

ایک غریب سقے کا بڑا دبلا گدھا تھا۔ وہ اتنا لاغر ہو گیا کہ اگر زور سے ہوا چلتی تو اڑا کر دور پھینک دیتی۔ پشت پر جا بجا زخموں کے غار پڑ گئے۔ اور ان میں بے شمار کیڑے چل رہے تھے۔ وہ دو قدم بھی بغیر ٹھوکر کھانے کے نہیں چل سکتا تھا۔ ایک اصطبل کے داروغہ نے اسے دیکھ کر سقے سے پوچھا کہ تمہار گدھا اس قدر ناتواں کیوں ہے۔؟ اس نے جواب دیا کہ مفلس آدمی ہوں۔ جب مجھے کھانے کو نہیں ملتا تو گدھے کو کیا کھلاؤں۔ فاقوں نے اسے نحیف کر رکھا ہے۔ داروغہ نے کہا اسے ایک مہینہ میرے اصطبل میں چھوڑ جاؤ پھر دیکھنا یہ گدھا کیا رنگ لاتا ہے۔ چنانچہ وہ گدھے کو اپنے اصطبل میں لے گیا۔ اور اسے گھوڑوں کے ساتھ باندھ کر گھاس اور دانہ کھلانے لگا۔ گھوڑوں کے ساتھ ہر روز اس کی بھی مالش ہونے لگی۔ بھنگی آ کر اس کے کھڑے ہونیکی جگہ صاف اور سقے چھڑکاؤ کر جاتے۔ لید وغیرہ فورا اٹھائی جاتی۔ اور تازہ چارہ کھلایا جاتا۔ یہ ٹھاٹھ دیکھ کر بیچارہ گدھا دل میں کہنے لگا کہ اے خدا! اگر چہ تجھ سے پوچھنا داخل بے ادبی ہے مگر میں پوچھے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کہ مجھ میں اور گھوروں میں کیا فرق ہے۔ وہی ہاتھ پاؤں میرے ہیں۔ وہی ان کے دونوں کے پیٹ کھانا مانگتے ہیں۔ پھر معلوم نہیں کہ ایک دوسرے میں اس قدر فرق کیوں رکھا گیا ہے۔ کہ ان کی قسمت تو گھاس دانہ اور مصالحہ اور میری قسمت کوڑیوں پر چرنا۔ اور ڈنڈے کھانا۔

انہی دنوں ایک لڑائی پر اصطبل کے تمام گھوڑے بھیجے گئے جب واپس آئے تو تمام زخموں سے چور تھے۔ وہی بدن جن میں ریشم سی چمک اور لچک تھی کانس سے لیکر دم تک خون میں لتھڑ کر خراب ہو رہے تھے۔ اور خون کسی طرح نہ تھمتا تھا۔ تیر جسموں میں پیوست تھے جنکو نکالنے کے لیے گھوڑوں کو باندھ کر پچھاڑا اور تیروں کو نکالا گیا۔

انسان کو چاہیے کہ اپنی استعداد سے اونچا نہ اڑے اور خیال رکھے۔

دانش مندانہ باتیں

ترکوں کا ایک قوم غزان قتل و غارت گری میں بڑی مشہور تھی ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ اس قوم نے ایک گاؤں پر حملہ کیا اور لوٹ مار کرتے ہوئے اس گاؤں کے دو بڑوں کو گرفتار کرلیا ان دونوں میں سے ایک کے انہوں نے ہاتھ پاؤں مضبوطی سے باندھ دیے تاکہ اس کو قتل کردیں ابھی انہوں نے اس کو قتل کرنے کے لیے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ وہ بول اٹھا کہ اے اللہ کے بندو! مجھے کیوں قتل کرنے لگے ہو کیوں میرے خون کے اپنی پیاس بجھانا چاہتے ہو؟ میں تو مفلس اور غریب آدمی ہوں آخر مجھے بتاؤ تو سہی کہ میرے قتل کردینے میں کیا حکمت پوشیدہ ہے؟

ترک کہنے لگے، ہم تجے اس لیے قتل کرنا چاہتے ہیں تاکہ تیرے دوسرے ساتھی پر اس بات کی ہیبت طاری ہو جائے اور وہ خوف کے مارے تمام چھپی ہوئی دولت کا راز ظاہر کردیب وہ شخص ہنسا اور بولا، اے اللہ کے بندو! وہ تو مجھ سے بھی زیادہ مسکین اور غریب ہے۔ ترک کہنے لگے کہ ہمیں شک ہے کہ اس نے قصداً اپنے اپ کو مسکین صورت کا بنا رکھا ہے جبکہ وہ مالدار ہے۔ اس شخص نے کہا، یہ تو پھر وہم اور شک ہے اور اس معاملے میں ہم دونوں یکساں ہیں۔ اس لیے پہلے اس کو قتل کرو تاکہ میں ڈروں اور اس سے عبرت حاصل کروں۔ اس شخص کی ان دانائی کی باتوں سے متاثر ہو کر ترکوں نے قتل کا ارادہ ختم کردیا اور ان کو یقین ہوگیا کہ دونوں بڑیب مفلس اور مسکین ہیں اور لوگوں نے ان کی دانائی کی وجہ سے ان کو بڑا درجہ و رتبہ دے کر عزت بخشی ہوئی ہے۔ جبکہ مال و دولت کے معاملے میں یہ واقعی مسکین ہیں

شیر اور چوہا

ایک شیر جنگل میں پڑا سو رہا تھا۔ ایک چوہے نے اسے مٹی کا ڈھیر سمجھا اور اس کے اوپر چڑھ کر پھد کنے لگا۔ شیر غرایا اور پنجہ مار کر چوہے کو دبوچ لیا۔ پنجہ شیر کا تو گویا لوہے کا شکنجہ تھا۔ چوہے کا دم گھٹنے لگا۔ گڑگڑا کر التجا کرنے لگا کہ اے جنگل کے بادشاہ۔ بیشک مجھ سے خطا ہو گئی۔ خدا کے لئے مجھ پر رحم کرو۔ اگر آپ میرا قصور بخش دیں گے تو میں اس احسان کا بدلہ ضرور دوں گا۔

شیر نے چوہے کی باتیں سنیں اور ہنس دیا۔ اور چوہے کو چھوڑ دیا۔ چوہا شیر کو دعائیں دیتا ہوا چلا گیا اور کرنا خدا کا ایسا ہوا کہ ابھی ایک مہینہ بھی نہ گزرا تھا کہ ایک شکاری جنگل میں آنکلا۔ اس دن بھی شیر گہری نیند سو رہا تھا شکاری نے اس موقعہ کو غنیمت جانا اور سوتے شیر کو جال میں جکڑ لیا۔ شیر بڑا اچھلا کودا اور گرجا لیکن جال بڑا مضبوط تھا۔ اس سے چھٹکارا پانا مشکل تھا۔

اتفاقاً۔ چوہے نے شیر کی گرج سن لی اور بھانپ گیا کہ یقیناً شیر کسی مصیبت میں مبتلا ہے ورنہ وہ پہلے تو اس طرح نہیں گرجا کرتا تھا چوہے نے سوچا احسان کا بدلہ اتارنے کا اچھا موقع ہے۔ بھاگا آیا۔ دیکھا کہ شیر جال میں پھنسا تھا۔ چوہے نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر جال کی رسیوں کو کترنا شروع کر دیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے جال کی سب رسیاں کتر ڈالیں۔ اور شیر سے کہنے لگا کہ جنگل کے بادشاہ اب گھبراؤ نہیں۔ جال سارا کٹ چکا ہے۔ اب آپ آزاد ہیں۔ آپ نے مجھ پر ایک احسان کیا تھا۔ میں بڑا خوش ہوں کہ آج میں نے اس احسان کا بدلہ چکا دیا ہے۔ اور پھر بھی اگر کبھی آپ پر ایسی کوئی بھڑ آن پڑی تو مجھے اپنا ایک ادنیٰ خادم سمجھیں۔ خدا حافظ

ایک درویش کی کہانی

ایک درویش نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدم میں دعا کی کہ اے اللہ! مجھے بغیر محنت اور کمائی کے حلال رزق عطا فرما کیونکہ اس طرح میں عبادت کرنے سے رہ جاتا ہوں اور کافی وقت رزق حلال کی تلاش میں صرف ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول کی اسے خواب میں ایک پہاڑ کے نزدیک جنگل کو دکھایا گیا وہ درویش جنگل میں گیا اور اس نے درختوں سے بہت سے پھل توڑ لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان پھلوں کو خوب میٹھا کر دیا جب اس درویش نے یہ پھل کھائے تو اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔ درویش اس واقعہ کو خود بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس بے محنت کے پھل کھانے سے میرے کلام میں وہ شیرینی اور مٹھاس پیدا ہو گئی کہ میری گفتگو سن کر لوگ حیران ہو جایا کرتے۔ اس کے کے بعد پھر میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اے پروردگار! مجھے وہ انعام عطا فرما جو سب سے پوشیدہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے میری اس دعا کو بھی قبول کیا اور میری قوت گویائی جاتی رہی میرے دل کو اطمینان حاصل ہو گیا۔ کیونکہ میری گفتگو کو سننے کے لیے پہلے ہر وقت ایک جم غفیر حاضر رہتا تھا اب کوئی بھی پاس نہ آتا تھا اور عبادت میں مجھے لطف آنے لگا تھا۔ میری قلبی کیفیت اس قدر پرمسرت تھی کہ اگر جنت میں صرف وہی حاصل ہو جائے تو مزید کسی چیز کی تمنا ضرورت نہیں ہے۔

چونکہ میں روزی کمانے کی فکر سے آزاد ہو چکا تھا مجھے اس معاملے میں محنت و مشقت کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ جن دنوں میں کمائی کے لیے محنت کیا کرتا تھا ان دنوں کا بچا ہوا ایک درہم میرے پاس موجود تھا جس کو مین نے اپنی آستین میں سی رکھا تھا۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ میں جنگل میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے ایک درویش کو دیکھا جو جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر بوجھ اٹھائے تھکا ہارا چلا آ رہا تھا میرے دل میں خیال آیا کہ میں تو اب روزی کمانے کی فکر سے آزاد ہو چکا ہوں درختوں پر لگے

کڑوے پھل بھی میرے لیے شیریں ذائقہ والے بن گئے ہیں میرے پاس جو ایک درہم موجود ہے مجھے اس کی کیا ضرورت ہے؟ مجھے تو اللہ تعالیٰ رزق دے ہی دیتا ہے۔ اگر میں اس لکڑ ہارے کو یہ ایک درہم دے دوں تو لکڑ ہارا دو تین دن کے لیے اپنی خورتک کے غم سے آزاد ہو جائے گا اور میرے اس ایک درہم سے دو تین دن اپنا کام چلا لے گا۔ وہ لکڑ ہارا روشن ضمیر تھا اللہ تعالیٰ کا اس پر خاص کرم تھا اس نے کشف سے میرے دل کی بات جان لی میرے دل کی کوئی بھی بات اس سے چھپی نہ رہی اور وہ غصے میں میرے قریب آ کر بڑبڑایا میں اس کی بات کو سمجھ تو نہ سکا مگر اس کے غصے کا اثر میرے دل پر ظاہر ضرور ہوا۔ وہ کہہ رہا تھا، اے احمق! تو شاہوں کے بارے میں ایسا سوچتا ہے اگر تجھے وہ رزق نہ دیں تجھے رزق کیسے ملے؟ اس بزرگ نے لکڑیوں کا گٹھا زمین پر رکھا اور شیر کی طرح تیزی سے میری طرف آیا اس کا جلال دیکھ کر مجھ پر ہیبت طاری ہو گئی اس نے کہا، اے اللہ! اگر تیرے وہ بندے جو تیری بارگاہ میں مقرب ہیں اور جن کی دعا قبولیت کا درجہ رکھتی ہے تو میں ان کے وسیلہ سے تیری وہ مہربانی چاہتا ہوں جس سے یہ سب لکڑیاں سونے کی بن جائیں۔ ابھی اس لکڑ ہارے نے یہ دعا مانگی ہی تھی کہ وہ سب لکڑیاں سونے کی بن گئیں۔ یہ دیکھ کر مجھ پر اور ہیبت طاری ہو گئی اور مجھے کچھ ہوش نہ رہا جب میرے حواس بحال ہوئے تو میں نے دیکھا کہ وہ درویش مرد اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ رہا تھا۔ اے اللہ! تیرے مقبول بندے چونکہ شہرت سے بھاگتے ہیں اور میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میری کرامت میری شہرت کا باعث نہ بن جائے لہذا تو ان لکڑیوں کو اصل حالت پر کر دے تاکہ میری شہرت نہ ہو۔ چنانچہ وہ لکڑیاں دوبارہ اپنی اصلی حالت میں آ گئیں۔ اور وہ لکڑیوں کا گٹھا اٹھا کر اپنی راہ پر ہو گیا۔ میں نے چاہا میں اس درویش مرد کے پیچھے جاؤں اور اس سے کچھ پوچھوں اور اچھی اچھی باتیں سنوں مگر اس کی ہیبت کے اثر سے اپنے قدم اٹھا نہ سکا اور آئندہ کے لیے اس واقعہ سے عبرت حاصل کرتے ہوئے محنت

کے ساتھ حلال روزی کے لیے جستجو کرنے لگا اور ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے بھی کبھی غفلت نہ برتی۔



لیلی اور مجنوں

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ مجنوں بیمار ہو گیا عشق کی شدت سے اس کے خون میں جوش پیدا ہو گیا جس کی وجہ سے مجنوں کے گلے میں خناق کا عارضہ پیدا ہو گیا چنانچہ ایک طبیب اس کا علاج کرنے کے لیے آمادہ ہوا اور اس سے کہا کہ خون کو کم کرنے کے لیے فصد کرنے کے علاوہ کوئی علاج نہیں ہے لہذا کسی ماہر فصد کرنے کو بلایا جائے اس پر ایک ہنر مند فصد کو بلایا گیا جس نے مجنوں کا بازو باندھا اور فصد کرنے کے لیے اس کر پکڑا تو مجنوں ایک دم چیخا اور شور مچانے لگا، اے فص، اپنی فیس لے لے اور فصد کر خواہ میں مر جاؤں لیکن تو فصد نہ کر۔ فصاد کہنے لگا۔ آ کر تو اس سے ڈرتا کیوں ہے تو جنگلوں میں مارا مارا پھرتا ہے اور درندوں سے بھی نہیں ڈرتا پھر اس ایک نشتر سے کیوں ڈر رہا ہے؟

مجنوں کہنے لگا، اے فصاد! میں نشتر سے نہیں ڈرتا میرا صبر تو پہاڑ سے بھی زیادہ ہے اور زخم کھانا میری عادت ہے اسی سے میرے جسم کو آرام ملتا ہے چونکہ میں اپنے آپ کو فنا کر چکا ہوں اور میرے پورے جسم میں صرف لیلیٰ ہے، اے فصاد! اگر تو میرے فصد لگائے گا تو میں ڈرتا ہوں کہ یہ نشتر میرے نہ لگے گا بلکہ لیلیٰ کے لگے گا اور یہ بات کوئی عقل من ہی سمجھ سکتا ہے کہ اب مجھ میں اور لیلیٰ میں کوئی فرق نہیں ہے میں کون ہوں؟ لیلیٰ اور لیلیٰ کون ہے؟ میں ہم دو روحیں ہیں جو ایک جسم میں آ گئی ہیں۔

موت سے ملاقات

ایک بوڑھے شخص کا دنیا میں کوئی سہارا نہ تھا۔ بڑھاپے میں وہ اس طرح گزارا کرتا کہ جنگل میں لکڑیاں کاٹنے چلا جاتا سارا دن لکڑیاں کاٹنے اور چننے میں گزر جاتا۔ شام ہونے سے پہلے لکڑیاں بیچنے کا چارہ کرتا اور انہیں بیچ کر روٹی کھاتا۔ ایک دن اس کی طبیعت ٹھیک نہ تھی۔ اتنی کمزوری محسوس کر رہا تھا کہ اس سے چلا نہ جاتا تھا۔ لیکن مرتا کیا نہ کرتا۔ لکڑیاں جنگل سے نہ لاتا تو روٹی کہاں سے کھاتا۔

لکڑہارا گرتا پڑتا جنگل میں پہنچا۔ بڑی مشکل سے لکڑیاں کاٹیں۔ اس کے بعد بڑا سانس لیا۔ پھر گٹھا جو اٹھایا تو سر سے پاؤں تک کانپنے لگا۔ بڑی مشکل سے گٹھا اٹھایا۔ کمزوری تو پہلے ہی سے تھی۔ گٹھا اٹھا کر ابھی سینے تک لایا تھا کہ بازو جواب دے گئے۔ گٹھا زمین پر آ رہا۔ تھوڑی دیر پھر سانس لیا۔ اور درد کی شدت سے ہانپتے ہوئے آسمان کی طرف نظریں اٹھا کر کہنے لگا۔

"خدایا! بڑھاپے میں کس طرح میں یہ مشقت کروں۔ مجھ سے تو اپنا آپ نہیں اٹھایا جاتا اتنا بھاری گٹھا کیسے اٹھاؤں؟

میری قسمت کا ستارہ کب تک گردن میں رہے گا۔ اس جینے سے تو موت بہتر ہے۔ اے موت! مجھے اس دنیا سے اٹھا لے۔

یہ سنتے ہی اچانک موت ایک طرف سے نمودار ہوئی۔ بولی

"مجھے کس واسطے جنگل میں پکارا ہے؟

موت کو دیکھتے ہی بوڑھے پر دہشت طاری ہوگئی۔ تھر تھر کانپنے لگا اور رک رک کر کہا۔

"میں نے تمہیں اس واسطے جنگل میں پکارا ہے کہ اس جنگل میں دور اور نزدیک کوئی نظر نہیں آ رہا۔ یہ گٹھا اٹھا کر میرے سر پر ٹکا دو۔"

نمازی غلام

اگلے وقتوں میں کہیں ایک امیر بڑا نیک خواور قابل تھا۔مگر شامت اعمال سے اس میں کاہلی (سستی) بہت تھی ۔امور دینی میں وہ اور بھی قابل تھا۔ خالق کے آگے سر سجدہ ہونے سے وہ بہت دم چراتا اور بھول کر بھی مسجد میں قدم نہ رکھتا۔اس کا ایک منہ چڑھا غلام منقر چستی اور دینداری سے بالکل آقا کی ضد تھا۔ایک صبح غسل کا ارادہ کرکے آقا حمام کی جانب تیل ،رومال اور صابن لے کر روانہ ہوا۔راہ میں مسجد میں اذان کی آواز آئی ۔منقر نے کہا آقا مجھے فجر کی دو رکعتیں پڑھنے کی اجازت دیجئے۔ میں ابھی فارغ ہوکر واپس آتا ہوں ۔امیر نے کہا میری طرف سے دوفرض ادا کرنے کی رخصت ہے۔میں باہر بیٹھا ہوں ۔میرے لیے بھی دعا کرنا ۔

امیر نے گھڑی اور انتظار کیا مگر منقر نہ آیا اور سب نمازی فارغ ہوکر نکل آئے ایک گھڑی اور انتظار کرکے امیر نے در مسجد پر جاکر آواز دی کہ اے منقر تیرا دامن وہاں کس نے سی دیا۔منقر بولا۔ایک ساعت ٹھہر تیے ۔مجھے وہی باہر آنے سے روکتا ہے جو تجھے اندر نہیں آنے دیتا۔

یعنی سب کچھ اللہ ہی کے دست قدرت میں ہے ۔حیلہ وتدبیر سے کچھ نہیں ہوسکتا۔ جوانسان خودی چھوڑ دے وہی واصل باللہ ہوکر بقا حاصل کرسکتا ہے ۔

غیبی ندا

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص کی غرض سے گھر سے چلا راستے کی بے شمار صعوبتیں برداشت کرتے کرتے وہ ایک جنگل سے گزرا تو اس کو ایک اپاہج لومڑی زمین پر پڑی دکھائی دی وہ لومڑی ہاتھ اور پاؤں سے بالکل معذور تھی اور چل پھر نہ سکتی تھی لیکن جسامت سے کافی فربہ دکھائی دیتی تھی۔ اس شخص کے دل میں یہ خیال گزرا کہ یہ لومڑی تو بالکل چل پھر نہیں سکتی۔ آخر یہ کھاتی کہاں سے ہے؟ وہ شخص ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک اسے ایک طرف شیر آتا دکھائی دیا جو ایک جانور کا شکار کر کے اسی طرف سے آ رہا تھا اس شخص نے شیر کو دیکھا تو خوف زدہ ہو کر ایک قریبی درخت پر چڑھ گیا۔

اب اس شخص نے درخت پر چڑھ کر نیچے دیکھنا شروع کیا وہ کیا دیکھتا ہے۔ کہ شیر جس جانور کا شکار کر کے لایا۔ اس کو لومڑی کے نزدیک ہی بیٹھ کر کھانا شروع کیا اور جب اس نے کوب پیٹ بھر کر کھا پی لیا تو بچا کھچا گوشت وہیں چھوڑ کر جنگل کی ایک سمت کو روانہ ہو گیا۔ شیر کے جانے کے بعد لومڑی اپنے جسم کو کھسکاتی ہوئی گھسٹتے ہوئے اس بچے کچھے گوشت کی طرف بڑھی اور اس کو کھانا شروع کر دیا۔ اس شخص نے جب یہ صورت حال دیکھی تو سوچنے لگا جب اللہ تعالیٰ اس معذور لومڑی کو بیٹھے بٹھائے رزق دے سکتا ہے تو پھر مجھے گھر سے نکل کر رزق کے لیے دربدر پھرنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں بھی آرام سے اپنے گھر بیٹھتا ہوں اللہ تعالیٰ خود ہی میری روزی کا کوئی نہ کوئی سامان پیدا کر دے گا۔

یہ سوچ کر وہ شخص درخت سے نیچے اترا اور سیدھا اپنے گھر کی طرف واپس روانہ ہو گیا اور گھر جا کر ڈیرہ لگا لیا کوئی کام کاج نہ کرتا تھا اور اس بھروسے پر بیٹھا ہوا تھا کہ غیب سے روزی کا کوئی سامان پیدا ہو جائیگا اس طرح بیٹھے بیٹھے اسے کئی دن گزر گئے مگر کسی بھی طرف سے کچھ نہ آیا تو گھبرایا اور کہنے لگا۔ اے اللہ! اس معذور لومڑی

کوتو بیٹھے بٹھائے رزق دیتا ہے اور مجھے آج کتنے دن ہو گئے ہیں تو نے میری طرف کچھ نہ بھیجا آخر وہ کیا ہے؟ غیب سے ندا آئی، اے بے وقوف جو دوسروں کے بچے کھچے کھانے پر نگاہ رکھتی تھی اور ایک شیر دکھایا تھا جو اپنی ہمت اور محنت سے شکار کر کے لاتا اور خود بھی کھاتا اور دوسرے معذورں اور محتاجوں کو بھی کھلاتا۔ اے نادان! تو نے اس سے یہ سبق حاصل کیا کہ خود معذور لومڑی کی طرح بن کر بیٹھ گیا جبکہ تجھے ہم نے اچھے بھلے ہاتھ پاؤں دیے اور تو شیر کی طرح نہ بنا جو محنت کر کے خود بھی کھاتا ہے اور دوسروں کو بھی کھلاتا ہے۔ اٹھو شیر بنو اور اپنی روزی خود کما کر کھاؤ محنت کرو اور ہمت سے کام لو اس لیے کہ محنت میں ہی عظمت ہے خود بھی کھاؤ اور محتاجوں کو بھی کھلاؤ۔

اس شخص نے جب اس غیبی ندا کو سنا تو دل میں بڑا شرمندہ ہوا اور پھر تجارت کے لیے رخت سفر باندھ لیا۔

فطرت کے خلاف

ایک گدھا جنگل میں گھاس چر رہا تھا۔ اس نے اپنی طرف ایک بھیڑیے کو آتے دیکھا۔ اس کی سٹی گم ہو گئی کہ اب خیر نہیں۔ مفت میں مارے گئے۔ اب کیا کیا جائے۔ اسے یوں لگا جیسے اس کے اعضا نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے لیکن اس کی عقل اس وقت کام کر رہی تھی۔ اچانک اس کو ایک تدبیر سوجھی۔ وہ لنگڑانے لگا۔ بھیڑیے نے گدھے کے قریب آ کر کہا۔

"ارے لمبی تھوتھنی والے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تو بھی اپنے آپ کو بری چیز سمجھتا ہے۔ میری صورت دور سے دیکھتے ہی گدھا دم دبا کر بھاگ جاتا ہے لیکن تو وہیں ڈٹا ہوا مزے سے ہری ہری گھاس کھا رہا ہے۔ مجھے خاطر ہی میں نہیں لایا۔ تیری موت تیرے سامنے کھڑی ہے اور تو وہ ہے کہ گھاس چر رہا ہے۔ لے سنبھل جا میں آیا۔

گدھا ہنہنایا خطرے کا بگل بجایا بولا۔

"وہ تو میں جانتا ہوں گدھے بڑے بد دماغ ہوتے ہیں۔ کسی کی نہیں سنتے بس اپنی ہانکے جاتے ہیں۔ بد کلامی کرنے سے پہلے تم نے میری بھی تو سنی ہوتی۔ چیر پھاڑ کر کھانا بعد میں پہلے میری ایک بات تو سن لے"

بھیڑیا غراتے ہوئے بولا۔

"کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔ یہ اپنا ناچ بند کر۔ میں یہاں تیرا ناچ دیکھنے نہیں تجھے کھانے آیا ہوں۔

میں ناچ نہیں رہا لنگڑا رہا ہوں۔ تمہاری آنکھوں کو شاید پھلبھری ہو گئی ہے کہ میرا لنگڑانا تمہیں ناچ نظر آیا ہے۔ اور وہ بات تم سے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں ایک دن جنگل میں چلا جا رہا تھا کہ میرے پاؤں میں کانٹا چبھ گیا جو ابھی تک نہیں نکلا۔ تم مجھے کھاؤ گے تو یہ کانٹا تمہارے حلق میں چبھ جائے گا۔ تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ یہ کانٹا نکال کر میرے گوشت سے ضیافت اڑاؤ"

''گدھے کی بات کچھ اس کی سمجھ میں آ گئی۔بولا۔

''یہ کانٹا کیسے نکلے گا۔؟

گدھے نے کہا۔

''میرے پچھلے پاؤں میں'' گدھے نے بھیڑیے کو اپنا پچھلا پیر دکھایا۔

''ادھر میری پچھلی ٹانگوں کی طرف آ کر دیکھو''

بھیڑیا منہ کھول کر پیر کی طرف بڑھا۔ اور اس نے کانٹے کی طرف توجہ دی۔ گدھے نے اسے بے خبر پایا تو چپکے سے ایک ایسی دولتی اس کے جبڑوں پر جڑی کہ جبڑوں سمیت سارے دانت نکل کر باہر جا پڑے۔ اور بھیڑیا روئی کے گالے کی طرح ہوا میں اڑ کر نیچے گرا۔ اس کا منہ لہولہان ہو رہا تھا گدھا مسکراتا ہوا چلا دیا۔

بھیڑیا بھی وہاں سے چیخ کر بھاگا۔ اور اپنے دل میں یہ کہتا جا رہا تھا کہ یہ کام میری فطرت کے خلاف تھا۔ مجھے میری حماقت کی سزا مل گئی۔ میں درندہ ہوں پھاڑ کھانا میرا کام ہے۔ مجھ کو جراحی سے کیا واسطہ؟

میں نہیں بولا

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ چار بےوقوف سفر پر جا رہے تھے راستے میں عصر کی نماز کا وقت ہو گیا ان کو راستے میں ایک مسجد دکھائی دی وہ نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں داخل ہو گئے سب نے باری باری وضو کیا ان میں سے ایک نے ازان پڑھی ایک امام بن گیا اور پھر تینوں مقتدی بن کر امام کی اقتداء میں نماز پڑھنے کے لیے باجماعت کھڑے ہو گئے ابھی وہ پہلی رکعت ہی ادا کر رہے تھے کہ ادھر سے مسجد کا اصلی امام آ گیا اسے بالکل خبر نہ ہوئی کہ اندر جماعت کھڑی ہے اس نے اپنے وقت اپنے وقت کے مطابق اذان پڑھنا شروع کر دی۔ اندر جماعت میں کھڑے چاروں کے کانوں میں جب اذان کی آواز پڑی تو ان بےوقوفوں میں ایک مقتدی نماز ہی کی حالت میں بولا، حضرت صاحب! اذان ہو چکی ہے دوبارہ نہ دیں۔ دوسرا مقتدی کہنے لگا، ارے جاہل، نماز پڑھتے ہوئے نہیں بولتے۔ تیسرے فوراً کہا، سبحان اللہ! بھئی خوب کہی خود دوسروں کو نصیحت کر رہے ہو کہ نماز میں بولنا جائز نہیں اور خود ہی بولے بھی جا رہے ہو۔ چوتھا بےوقوف جو امامت کے فرائض انجام دے رہا تھا کہنے لگا شکر ہے یا اللہ تیرا کہ میں نماز پڑھتے ہوئے نہیں بولا اور اس پر تو نے ہی مجھے ثابت قدم رکھا۔

مجھے مکان چاہیے

ایک امیر آدمی ایک شہر میں وارد ہوا۔ وہ ایسے گھر کی تلاش میں تھا۔ جو ہر طرح آرام دہ ہو۔ اسے کشادہ ہوا دار۔ اونچی چھتوں والے سایہ دار درختوں سے آراستہ حوض سے پیراستہ مکان کی ضرورت تھی وہ ایسا گھر لینا چاہتا تھا۔ جس میں نوکروں کے کمرے بھی ہوں۔ دیوان کانہ اوراصطبل بھی ہو۔ اس نے سارا شہر چھان مارا۔ مگر کوئی مطلب کا گھر نہ ملا۔

اتفاقا ایک کوچے میں کھڑا ہوا۔ اسے ایک پرانا ہم جماعت دوست مل گیا۔ دونوں بڑے تپاک سے گلے ملے اور ایک دوسرے سے مل کر بڑے خوش ہوئے۔ دوست نے پوچھا۔ بھائی مجھے کوئی خدمت بتاؤ۔ اس نے کہا فی الحال مجھے ایسے مکان کی تلاش ہے جو میری تمام ضرورتون کو پورا کر سکے۔ دوست نے کہا۔ یہ کونسا بڑا کام ہے میرے ہمسایہ میں ہی ایک ایسا مکان ہے جس کی تمہیں تلاش ہے اگر وہ ویران اور خراب نہ ہو گیا ہت تو وہ اپنی نظیر آپ تھا۔ شہر بھر مے اس جیسا لمبا چوڑا۔ آڑام بخش مکان نہ تھا۔ اگر اس کے بڑے دالان پر چھت ہوتی اگر اس کا باورچی خانہ اور دہلیزیں سالم ہوتیں۔ اگر اس کا مردانہ ثابت اور زنانہ قائم ہوتا۔ اگر ااس کا تہہ خانہ گر نہ پڑتا۔ اگر اس کی پچھلی دیوار منہدم نہ ہو جاتی۔ اگر اس کا چمن اور لہلہاتے ہوئے پھول مردہ نہ ہو گئے ہوتے تو اس سے بہتر مکان ملنا دشوار تھا۔

دوست کی یہ بات سن کر اس متلاشی مکان نے جواب دیا بھائی میں آپ کی مہربانی کا ممنون ہوں۔ مگر مجھے تو مکان چاہیے اگر مگر سے میری ضرورت پوری نہیں ہو سکتی۔ آپ نے خوب میری مدد کی۔

بھڑیا اور سارس

ایک روز ایک بھیڑیے کے حلق میں ہڈی پھنس گئی۔ اس کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ جنگل میں وہ بے چینی کے ساتھ بھاگیا پھرتا تھا۔ جان بچنے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی اتفاق سے اس کی نظر ایک سارس پر پڑی۔ بے تحاشا اس کی طرف بھاگا۔ کہنے لگا۔

بھیا سارس! میرے حلق میں ہڈی پھنس گئی ہے تمہاری چونچ بڑی لمبی ہے میرے حلق میں پھنسی ہڈی نکال دو۔ میں اس کے صلے میں تمہیں بڑی اجرت دوں گا۔

سارس کو بھیڑیے پر بڑا رحم آیا۔ اس نے اپنی چونچ فوراً اس کے گلے میں ڈال دی۔ چونچ سے ہڈی کو پکڑ کر ایک جھٹکا دیا تو چونچ کے ساتھ ہی ہڈی باہر آ گئی۔

سارس نے بھیڑیے سے مزدوری مانگی تو انے انے خونخوار دانت باہر نکال کر غراتے ہوئے کہا۔

' کیا یہ کم مزدوری ہے۔ تیری پوری چونچ میرے جبڑوں کے شکنجے میں آ گئی تھی،۔ میں نے اسے چبایا نہیں۔ چبا دیتا تو مجھ سے مزدوری نہ مانگتا۔

رزق

اے زاہد نے حضور اکرم ﷺ کی یہ حدیث مبارکہ سنی کے انسان کے مقدر میں جس قدر رزق ہے وہ اس کو ضرور ملتا ہے چاہے وہ چاہے یا نہ چاہے اس لیے اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا چاہیے۔اس زاہد نے توکل کے سبب سے رزق ہونے کو آزمانے کی خاطر شہر سے بہت دور ایک پہاڑ کے پیچھے جا کر ڈیرہ لگالیا کہ میں دیکھتا ہوں کہ میرا رزق کیسے میرے پاس آتا ہے تاکہ رزق کے بارے مین میرا اعتقاد مضبوط ہو جائے ۔اس زاہد نے اس جگہ پر ڈیرہ لگا دیا جہاں سے کبھی کوئی ذی روح بھول کر بھی نہ گزرا تھا یعنی بظاہر اس نے روزی کے حصول کے لیے ایسی جگہ کا انتخاب کیا جہاں پر کبھی کسی انسان کا گزر نہ ہوا تھا اور نہ ہی وہاں پر کھانے پینے کی چیز موجود تھی ۔وہ زاہد اس جگہ پر جا کر لیٹ گیا سارا دن پڑا رہا۔

اتفاق سے ایک قافلہ اپنا راستہ بھول گیا اور پہاڑ کی اس جانب نکل آیا جدھر یہ زاہد پڑا سو رہا تھا وہ قافلے والے اس کے پاس آئے اور اس نے جانبوچھ کر خاموشی اختیار کر لی قافلے والے آپس میں کہنے لگے۔یہ شخص تنہا یہاں پر کیا کر رہا ہے؟ نہ یہ کوئی راستہ ہے اور نہ ہی یہاں پر کوئی کھانے پینے کا سامان ہے جہاں پر یہ پڑا ہوا ہے حیرت ہے پتہ نہیں یہ مردہ ہے یا زندہ کہ بھیڑیے اور دشمن سے بھی اس کو ڈر نہیں لگتا۔قافلے والوں نے پھر اس زاہد کو ہلایا جلایا زاہد نے بالکل آنکھ نہ کھولی ، اور جان بوجھ کر چپکا ہو رہا۔

قافلے والوں نے آپس میں کہا، بے چارہ فاقہ کشی کی وجہ سے بے ہوش ہو گیا ہے چنانچہ وہ روٹی اور ایک برتن میں شوربہ لے کر آئے تاکہ اس کے منہ میں ڈالیں۔ زاہد نے جان بوجھ کر اپنے دانت سختی سے بند کر لیے تاکہ رزق کے وعدہ کی سچائی دیکھ سکے قافلے والوں کو اس پر بڑا ترس آیا بے چارہ بے سروسامانی کی حالت میں بھوک کی وجہ سے موت کے منہ میں جا رہا ہے چونکہ زاہد نے اپنے دانت سختی سے

بھینچے ہوئے تھے اس لیے انہوں نے ایک چمچ کے ذریعے اس کے دانتوں کو کھولا اور شوربے میں روٹی بھگو کر ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس کے منہ میں ڈالی اس زاہد نے اپنے دل میں کہا، اے دل! اگر چہ تو خاموش ہے مگر تو سب راز جان گیا ہے اور یہ اپنی حالت اب نخرے کے طور پر کر رہا ہے۔ اس کے دل نے جواب دیا بے شک میں جان گیا ہوں اور اب قصداً یہ کر رہا ہوں مجھے علم ہو گیا ہے کہ جان و جسم کا رزق دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے بعد میں جب قافلے والے زبردستی اس زاہد کو کھانا کھلا چکے تو وہ زاہد اٹھ بیٹھا اور کہنے لگا۔ میں نے رزق کے معاملے میں حضور اکرم ﷺ کے فرمان کو آزمایا اور وہ بالکل سچ ہے قافلے والوں نے اس پر ناراضگی کا اظہار کیا اور کہا، اللہ تعالیٰ نے تجھے ہاتھ اسی لیے دیے ہیں کہ ان ہاتھوں سے کام کر اپنا بھی بھلا کر اور کام کر دوسروں کی بھی مدد کر۔

چوہے اور مینڈک

ایک چوہا جنگل میں تالاب کے قریب رہتا تھا۔ اور تالاب میں بہت زیادہ مینڈک تھے۔ ایک مینڈک نے چوہے سے دوستی کرلی۔ چوہے نے اس کو نیک دل پایا تو اسے اس کی محبت کا یقین ہوگیا۔

ایک دن میڈک چوہے کے پاس جارہا تھا کہ اسے راستے میں پڑی ایک رسی مل گئی۔ اس کا ایک سرا اپنے پاؤں میں باندھا دوسرے سرے سے اپنی ٹانگیں باندھ لیں۔ پھر چوہے کو تالاب کی طرف لے چلا۔ اور جیسے ہی پانی کے قریب پہنچا تو چوہے نے کہا کہ بھائی مجھے تیرنا نہیں آتا۔ مینڈک نے اسے کوئی جواب نہ دھیا۔ چپکے سے اس کی باتین سنتا رہا۔

پھر وہیں سے اس نے ایک چلانگ لگائی اور چوہے کے ساتھ تالاب میں گر گیا۔ اور نہ نشین ہوگیا۔ چوہا پانی میں سانس کیسے لے سکتا تھا۔ چند منٹوں میں اس کا سانس رک گیا۔ اور چوہا مر گیا اور مرنے کے بعد اس کی لاش پانی کی سطح پر تیرنے لگی۔

ایک شکرا اس وقت تالاب کے اوپر اڑ رہا تھا۔ اس نے چوہے کی لاش کو تیرتے دیکھا تو جھپٹا اور چوہے کی لاش اٹھا کر شاخ پر بیٹھا تو اس کے ساتھ مینڈک بھی وہیں آ گیا۔ شکرا اسے بھی کھا گیا۔

ظالم حاکم

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ کسی **ملک** کے بادشاہ نے یہ حکم جاری کر دیا کہ شہر کے تمام گدھے بیگار میں پکڑ لیے جائین چنانچہ بادشاہ کے حکم پر عمل درآم کرتے ہوئے اس کے شاہی کارندے شہر میں بیگار کے لیے گدھے پکڑنے میں مصروف تھے کہ ایک شخص ڈر کے مارے ایک گھر میں گھس گیا اس کا چہرہ خوف زدہ اور ہونٹ نیلے ہو گئے تھے۔گھر کے مالک نے اس کو اس قدر خوفزدہ دیکھا تو اس سے کہا اے شخص! خیریت تو ہے؟ کہ تیرے ہاتھ بید کی مانند کانپ رہے ہیں تو بھاگ کر گھر میں کیوں گھس آیا ہے تیرے چہرے کی رنگت کیوں اڑی ہوئی ہے مجھے سچ سچ بتا واقعہ کیا ہے۔

وہ شخص کہنے لگا، ظالم بادشاہ کی بیگار کے لیے آج شہر بھر میں گدھے پکڑے جا رہے ہیں۔گھر کے مالک نے کہا۔لیکن تو تو گدھا نہیں ہے تو کس بات سے ڈرتا ہے۔اور وہ وہ کہنے لگا، بادشاہ کے کارندے گدھے پکڑے میں بہت سخت اور سرگرم ہیں اور وہ اس تیزی سے گدھے پکڑ رہے ہیں کہ ان کے لیے گدھے اور غیر گدھے کی تمیز بھی ختم ہو گی ہے چونکہ جب بے تمیز لوگ سردار بن جائیں تو پھر گدھے کی بجائے یہ لوگ گدھے والے کو بھی پکڑ سکتے ہیں اور مجھے تو یہ ڈر ہے کہ اگر وہ مجھے بھی گدھا سمجھ کر پکڑ لیں تو کچھ تعجب نہیں ہے۔

اس حکایت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حاکم شہر اگر ظالم ہو تو اس کے شر سے بچنا ہی چاہیے اور کوئی نہ کوئی پناہ ڈھونڈ لینی چاہیے۔

ٹوٹا ہوا سینگ

ریوڑ سے ایک بکر چرتے چرتے دور نکل گئی۔ چرواہے نے دیکھا تو ایک بکری کم تھی۔ سمجھا کوئی بھیڑیا نہ اٹھا کر لے گیا ہو پھر بھی اسے تلاش کر لینا چاہیے۔ اور وہ بکری کو تلاش کرنے لگا۔ اسی ادھیڑ پن میں کافی دور نکل گیا تو دیکھا کہ وہی بکری وہاں بڑے مزے سے ہری ہری گھاس کھا رہی ہے۔

چرواہے کو بکری پر بڑا غصہ آیا۔ لاٹھی تانے دبے پاؤں وہاں پہنچا اور غصے میں بکری کو لاٹھی دے ماری۔ جس سے بکری کا ایک سینگ ٹوٹ گیا اور خون بہنے لگا۔ اب چرواہے کا ماتھا ٹھنکا کہ بکرتو بری طرح زخمی ہوگئی ہے۔ اب میں مالک کو کیا جواب دوں گا۔ لگا بکر کی منت سماجت کرنے کہ دیکھو مالک سے کچھ مت کہنا۔

بکری بولی۔ یہ بات ہی ایسی ہے کہ چھپائے نہ چھپے گی۔ تم نے مجھ پر بڑا ظلم کیا ہے چلو میں نے تمہیں معاف کیا۔ مگر اس معاملے میں کچھ نہیں کر سکتی۔ میں اگر اپنی زبان بند رکھوں گی تو ٹوٹا ہوا سینگ سارا حال بیان کر دے گا۔

بندے کا اختیار

ایک چور چوری کرنے کی غرض سے ایک باغ میں جا گھسا اور ایک درخت پر چڑھ کر بہت سے پھل جھاڑنے لگا۔ اچانک وہاں پر باغ کا مالک آ گیا اس نے جو اس کو دیکھا تو کہنے لگا، اے کمینے! اللہ تعالیٰ سے حیا کر یہ تو کیا کر رہا ہے اس نے جواب دیا باغ اللہ تعالیٰ کا ہے اور میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے پھل عطا کیے ہیں تو جاہلوں کی طرح مجھے کیوں ملامت کرتا ہے تو خدائی دستر خوان پر بخل کرتا ہے۔ باغ کے مالک کو یہ سن کر بڑا غصہ آیا کہ ایک تو چوری اور پر سے سینہ زوری کس ڈھٹائی سے چوری کا جواز پیش کر رہا ہے۔

اس نے اپنے نوکر کو آواز دی اور کہا جلدی سے ایک رسی لے کر آ۔ تا کہ میں اس بھلے مانس کو جواب دوں۔ نوکر رسی لے کر بھاگتا ہوا آیا اور مالک کے حوالے کی۔ مالک نے چور کو پکڑا اور اس کو درخت کے ساتھ کس کر باندھ دیا اور اس کو ایک لاٹھی سے مارنا شروع کر دیا۔ پھل چوری کرنے والا چیختے ہوئے بولا۔ اے شخص! آخر اللہ تعالیٰ سے شرم کر کیوں مجھ بے قصور کو بے دردی سے مار رہا ہے۔

باغ کے مالک نے کہا، لاٹھی بھی اللہ کی ہے میں بھی اللہ کا بندہ ہوں تیری کمر اور پہلو بھی اللہ کا ہے اور میں تجھے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مار رہا ہوں تو اس میں کیا برائی ہے اس پر وہ چور بولا، اے اللہ کے بندے! مجھے نہ مار میں نے اپنی اس بات سے توبہ کی اور میں بندے کے اختیار کا قائل ہو گیا ہوں۔

گدھا اور لومڑی

لومڑی اور گدھے میں دوستی ہوگئی اور دونوں میں یہ شرط طے پائی کی جب دونوں میں کوئی مصیبت میں پڑ جائے تو دوسرا اس کے کام آئے۔

لومڑی اور گدھا ایک دن دونوں جنگل میں سیر کررہے تھے کہ نا گہاں سامنے سے شیر آ گیا۔ لومڑی سمجھی اب بچنا محال ہے فوراہی اس کے دل میں ایک خیال آیا۔ گدھے کو ایک گڑھا دکھلاتے ہوئے بولی۔ کہ بڑا خطرہ ہے۔ اپنی جان بچاؤ اور جلدی سے اس گڑھے میں ہو جائے۔

گدھے نے اس کی بات مان لی۔ کود کر گڑھے میں ہو گیا۔ لومڑی دوڑ کر شیر کے پاس آئی۔ بولی۔

"اگر میں جان کی اماں پاؤں تو ایک گدھے کا پتہ بتلاؤں، شیر سر ہلا کر مسکرایا۔ لومڑی شیر کو اس گڑھے کے پاس لے آئی جس میں گدھا تھا۔

شیر نے گڑھے میں گدھا دیکھا تو اس نے سوچا یہ اب کہاں جائے گا۔ کیوں نہ پہلے لومڑی کو کھالوں۔ میں اگر گدھے کی طرف گیا تو یہ بھاگ جائے گی۔ مجھے اس کی باتوں میں نہیں آنا چاہیے۔ بس پھر کیا تھا۔ آ گئی لومڑی کی شامت ایک ہی بھرپور پنجہ ایسا مارا کہ لومڑی کو سر سے پاؤں تک ادھیڑ کر رکھ دیا۔ اور یوں لومڑی کو اپنی بیوفائی کا صلہ مل گیا۔

ایسی دعا مت کرنا

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک صحابی بیمار پڑ گئے اور بیماری کی وجہ سے ان کی حالت بہت کمزور ہو گئی۔ حضور نبی کریم ﷺ ان صحابی کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لے گئے جب حضور سرور کائنات ؑ نے ان بیمار صحابی کو دیکھا اور ان پر اپنی خاص نظر عنایت فرمائی تو صحابی کو یوں محسوس ہوا جیسے ان میں ازسر نو جان پڑ گئی ہو اور کہا۔ یا رسول للہ ﷺ ! اس بیماری کی وجہ سے میرے مقدر جاگ گئے ہیں کہ آپ صبح کے وقت میرے پاس تشریف لائے ہیں جس کے باعث مجھے صحت اور آرام حاصل ہو گیا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے بیمار صحابی کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تو نے کوئی دعا کی ہے جس کی وجہ سے تجھ پر بیماری کا حمہ ہوا ہے یاد کرو کہ وہ دعا کیا ہے جو تم نے کی ہو۔ صحابی نے کہا، مجھے یاد نہیں آپ ﷺ میرے باطن پر توجہ فرمائین مجھ کو فوراً یاد آئے گا کہ میں نے کیا دعا کی تھی حضور اکرم ﷺ کی باطنی توجہ سے آپ کے قلب مبارک سے صحابی کے قلب تک نور پہنچا جس سے صحابی کو بھولی ہوئی دعا یاد آ گئی اور کہا، یا رسول اللہ ﷺ ! مجھے یاد آ گیا ہے کہ میں نے کیا دعا کی تھی میں اپنے گناہوں کی وجہ سے پریشانی میں مبتلا ہو گیا تھا جب مجھے علم ہوا کہ آخرت کا عذاب انتہائی سخت ہے تو میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ ! مجھے بجائے آخرت کے دنیا میں عذاب میں مبتلا کر دے تا کہ مجھے آخرت میں عذاب نہ جھیلنا پڑے۔ چنانچہ مجھ میں اس قسم کی بیماری پیدا ہو گئی کہ میری جان تکلیف کی وجہ سے بے آرام ہو گئی۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا خبردار آئندہ ایسی دعا کبھی نہ کرنا، صحابی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ! میں اس بات سے توبہ کرتا ہوں اور آئندہ کبھی بھی عذاب بھگتنے کی دعا نہ کروں گا اس پر آپ نے فرمایا کہ جب تو اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرے تو اس طرح کیا کر اے اللہ ! اگر ہماری مشکلیں آسان کر دے ہمیں ہمارے دنیا کے گھر میں

بھلائی عطا فرما، ہمیں ہمارے آخرت کے گھر میں بھلائی عطا فرما۔ اس حکایت سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ انسان کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت کا طلب گار رہنا چاہیے۔ اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کی بھلائی طلب کرنی چاہیے۔

دشمن

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ایک دفعہ دشمن سے سامنا ہوا۔ دشمن زخمی ہو کر بھاگا۔ حضرت علیؓ نے دوڑ کر اسے جالیا۔ اور اس کا سر تن سے جدا کرتے ہی کو تھے کہ اس نے نیچے پڑے پڑے آپؓ کے منہ پر تھوک دیا۔ آپؓ فوراً اس کے سینہ پر سے اترے اور اسے چھوڑ کر الگ کھڑے ہو گئے۔ وہ یہ دیکھ کر بڑا حیران ہوا کہ مجھ پر قابو پا کر میری اس نازیبا اور گستاخانہ حرکت کے باوجود آپؓ نے کیوں چھوڑ دیا۔ پوچھا۔ ''حیدر کرارؓ یہ کیا بات ہے۔ آپؓ کو تو مجھے قتل کر دینا چاہیے تھا کیونکہ میں نے شرارت سے آپؓ کے مبارک چہرہ پر تھوکا تھا۔

حضرت علیؓ نے فرمایا:

میں تجھ سے حق پر اللہ کے لیے لڑا تھا۔ کوئی ذاتی عداوت نہ تھی۔ تو نے اس حرکت سے مرے نفس کو انتقام پر ابھارا۔ مجھے غصہ آ گیا۔ میں نے خدا کی توفیق سے فوراً سنبھالا کہا۔ اگر میں تجھے مار ڈالتا تو خدا کو کیا منہ دکھاتا میں شیر حق ہوں۔ نفس کے کہنے پر نہیں چلتا۔''

یہ خلوص دیکھ کر وہ مشرک فوراً مسلمان ہو گیا۔ اور اس کے اثر سے اس کی ساری قوم بھی مسلمان ہو گئی۔

مولانا روم رحمتہ اللہ تعالیٰ مثنوی میں فرماتے ہیں کہ اجر اسی کام کا ملتا ہے جو خلوص سے اللہ کے لیے کیا جائے۔

آقا کو نہیں بھولے

افغانستان کے علاقہ ہرات کا نواب عماد الملک سخاوت میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا اس کی رعایا اس سے بڑی خوش تھی اس کے پانچ سو غلام تھے اور نواب ان کو اپنے بیٹوں سے بھی زیادہ عزیز رکھتا تھا اور وہ نواب سے بڑے خوش تھے یہی وجہ تھی کہ وہ نواب کے اس قدر وفادار تھے کہ نواب پر جان نچھاور کرنے سے بھی دریغ نہ کرتے تھے۔ نواب نے اپنے غلاموں کی گردنوں میں سونیب کی تاروں سے بنے ہوئے طوق بنا کر ڈالے ہوئے تھے ان غلاموں کے سروں پر ہر وقت انتہائی قیمتی ٹوپیاں رہتی تھی ان کا لباس اتنا نفیس اور خوب صورت ہوتا تھا کہ اطلس و کمخواب سے تیار کیا گیا ہوتا تھا ان غلاموں کے کمر بند بھی سونھے کی تاروں سے بنے ہوئے تھے غرضیکہ ان غلاموں کی ایک علیحدہ ہی شان اور ٹھاٹھ باٹھ تھے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ یہ غلام اپنی اسی شان و شوکت کے ساتھ بازار میں سے گزر رہے تھے کہ ایک ننگ دھڑنگ شخص جس نے صرف بند پر لنگوٹی باندھی ہوئی تھی ان کو دیکھا تو اس کے دل میں بڑا خیال گزرا یہ شخص تھا بڑا بے باک بات کرنے سے ڈرتا نہ تھا اس شخص نے جب یہ دیکھا کہ نواب عماد الملک کے غلام اس قدر ٹھاٹھ باٹھ سے جا رہے ہیں کہ جسموں پر انتہائی قیمتی لباس ہے اور ایک میں ہوں کہ پہنے کو کوئی کپڑا نہیں ہے نہ پاؤں میں جوتی ہے اور نہ سر پر ٹوپی ہے۔

اپنا اور غلاموں کا موازنہ کرتے ہوئے اس شخص نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور شکوہ کرتے ہوئے بولا، اے اللہ! میرے جسم پر تو کپڑا نہیں کھانے کو کچھ ملتا نہیں عجب تنگی کے دن گزر رہے ہیں تو میرا پروردگار ہے ذرا عماد الملک سے بندہ پروری سیکھ۔ اس بات کو ایک مدت گزر گئی اتفاق سے عمار الملک کا زوال شروع ہو گیا بادشاہ نے کسی بات سے ناراض ہو کر عماد الملک کو جیل میں ڈال دیا او اس کے غلاموں کو بھی قیدی بنا لیا۔ بادشاہ دراصل عمار الملک کے اس خزانے کا پتہ چلانا چاہتا تھا جو کہ

بادشاہ کی دانست میں عماد الملک نے کہیں چھپا رکھا تھا بادشاہ نے عماد الملک کے سب غلاموں سے اس بارے میں معلومات کیں مگر کسی نے بھی بادشاہ کو اس بھید سے آگاہی نہ دی بادشاہ نے ان غلاموں کو بے انتہا اذیت ناک سزائیں دین لیکن پھر بھی ان پانچ سو میں سے ایک بھی اپنے آقا سے بے وفائی کرنے پر رضامند نہ ہوا حالانکہ عماد لملک کے خزانے کا راز سب کو معلوم تھا ان سب نے اذیت ناک سزائیں برداشت کر لیں مگر اپنے آقا کا بھید بادشاہ کے سامنے ظاہر نہ کیا۔ اس بے باک آدمی نے غلاموں کے ساتھ کیا جانے والا یہ سلوک دیکھا تو اسے غیب سے ندا آئی کہ دیکھ تو بھی ان غلاموں سے بندہ بننا سیکھ کہ بے انتہا تکالیف برداشت کر کے بھی ثابت قدم ہیں اور اپنے آقا کو نہیں بھولے اور ایک تم ہو کہ معمولی سی تکالیف آجانے پر اللہ تعالیٰ سے شکوہ وشکایت شروع کر دیتے ہو اگر اس کے نام پر کوئی مصیبت آپہنچے تو اس سے بے وفائی کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہو اور اس قدر بے باکی سے یہ بات کہہ دیتے ہو کہ اے اللہ ! عماد الملک سے بندہ پروری سیکھ لیکن اے انسان ! پہلے تو عماد الملک کے غلاموں سے بندہ بننا سیکھ

شیر اور شکار

ایک شیر بھیڑیا اور لومڑی مل کر تینوں شکار کی تلاش میں نکلے۔ بڑی تک و دو کے بعد انہیں ایک ہرن ہاتھ لگا پھر ایک خرگوش ملا۔ اس کے بعد ایک نیل گائے (روجھ) کا بھی شکار کیا جب شیر تین جانور مار چکا تو بھڑیے سے کہا۔ آج تیری عقل کا امتحان ہے ان کو خوب سمجھ کر تقسیم کر بھیڑیا بولا نیل گائے آپ کھالیں ہرن مجھے دے دیں اور خرگوش لومڑی کو عطا کردیں۔

شیر نے کہا تو بڑا بے حیا، بے ادب اور بد سلیقہ ہے تیری سزا قتل ہے شیر غیظ و غضب سے اٹھا اور ایک تھپڑ مار کر بھیڑیئے کا کام تمام کر دیا۔ شیر نے پھر لومڑی سے کہا۔ اب میں تیری عقل آزماتا ہوں۔ وہ بڑے ادب سے سر جھکا کر بولی۔ حضور نیل گائے تو آپ ابھی کھالیں۔ ہرن کو رات کے لیے رہنے دیں۔ اگر درمیان میں اشتہا ہو تو خرگوش نوش فرمائیں شیر یہ سن کر بڑا خوش ہوا اور پوچھنے لگا تو نے یہ سلیقہ کس سے سیکھا۔ لومڑی بولی بھیڑیے کے واقعہ نے مجھے سبق دیا کہ بادشاہوں کے حضور خود غرضی اچھی نہیں۔ یہ جواب دے کر وہ بڑے سلیقہ سے پیچھے ہٹ کر بیٹھ گئی۔ شیر کو اس کا یہ ادب اور سلیقہ بڑا پسند آیا۔ اس نیکہا۔ یہ تینوں شکار ہم نے تجھے دیئے ہم اور مارلیں گے۔

لومڑی نے شیر سے جدا ہو کر سجدہ شکر ادا کیا اگر پہلے شیر مجھ سے سوال کرتا۔ اور میں بھیڑیے جیسا جواب دیتی تو میرا بھی حشر ہوتا جو بھیڑیے کا ہوا۔ اس حکایت سے دو اخلاقی سبق حاصل ہوتے ہیں (۱) ہمیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ کہ ہمیں اس نے آخری امت میں پیدا کیا۔ اگلی امتوں پر عذاب نازل ہوئے۔ جن سے عبرت حاصل کر کے بدیوں سے بچ سکتے ہیں، عقلمندی یہی ہے کہ دوسروں کی سزا سے سبق حاصل کریں۔ خود غرض آدمی محروم رہتا ہے۔ اور بے غرض اخلاص سے کام کرنے والے کی ہر جگہ عز ہوتی ہے۔

علم کا درخت

پرانے وقتوں کی بات ہے کہ ایک بادشاہ کے پاس ایک انتہائی عقل مند اور دانا شخص آیا جس نے بہت سی دانائی کی باتیں بیان کیں باتوں باتوں میں اس نے کہا کہ ہندوستان میں ایک ایسا درکت ہے کہ جس کسی نے بھی اس کا پھل کھا لیا اور حاصل کرلیا نہ ہی کبھی بوڑھا ہوا اور نہ ہی اس کو کبھی موت آئی۔ وہ آدمی تو یہ بات کر کے چلا گیا۔ مگر بادشاہ کے دل میں یہ خواہش پیدا ہو گئی کہ کسی طرح اس درخت کے پھل کو حاصل کرنا چاہیے۔ چنانچہ بادشاہ نے اس مقصد کے لیے ایک بہت ہی عقل منداور سمجھ دار قاصد کواس درخت کی تلاش کے لیے ہندوستان کی طرف روانہ کیا وہ قاصد کئی ماہ تک ہندوستان میں اس درخت کی تلاش کے لیے پھرتا رہا وہ جس سے بھی اس قسم کیدرخت کے بارے میں دریافت کرتا وہ اس کا مذاق اڑاتا غرضیکہ وہ قاصد درخت کی تلاش مین مارا مارا پھرتا رہا لوگ اس کو بے وقوف اور پاگل سمجھنے لک گئے گئے آخر ایک دن وہ اس تلاش سے تنگ آ گیا اوراس نے واپسی کا ارادہ کرلیا کیونکہ وہ مایوس ہو چکا تھا کئی سالوں کی اس کی محنت رائیگاں چلی گئی تھی اس دوران بادشاہ اس کو بہت سا مال بھی بھیجتا رہا تھا۔ اب جب وہ تلاش سے عاجز گیا تو اس نے روتے ہوئے واپسی کا سفر شروع کیا۔

راستے کی منزلیں طے کرتے ہوئے اس نے ایک جگہ پر پڑاؤ کیا قریب ہی اللہ کا ایک نیک بندہ اپنی جھگی میں بیٹھا عبادت میں مصروف تھا وہ قاصد اس بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا اوراس سے اپنے لیے دعا کرنیکی درخواست کی بزرگ نے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا کہ تو کس مقصد کے لیے ادھر آیا ہے؟ کہنے لگا کہ فلاں بادشاہ نے مجھے اس کام کے لیے منتخب کرکے بھیجا ہے تاکہ میں ہندوستان میں ایک ایسے درخت کی تلاش کروں جس کا پھل آب حیات کا درجہ رکھتا ہے میں نے مدتوں اس درخت کو تلاش کیا ہے مگر مجھے اس کا کوئی نشان نہیں ملا جس سے بھی اس بارے

میں پوچھتا ہوں وہی میرا مذاق اڑاتا ہے اب مایوس ہو کر واپسی کا سفر اختیار کیا ہے۔

وہ بزرگ بادشاہ کے قاصد کی بات سن کر ہنسے اور فرمائے: اے بھلے مانس! جس درخت کی تمہیں تلاش ہے وہ تو علم کا درخت ہے جس کا پھل آپ حیات کا سرمایہ ہے۔ قاصد نے جب یہ سنا تو اس کی تمام مایوسی راحت میں بدل گئی اور وہ خوشی خوشی بادشاہ کے دربار کی طرف چل دیا۔



دوسرا بچہ

ایک عورت حضرت علیؓ کی خدمت مین حاضر ہوئی اور کہنے لگی اے امیر المومنین!! میرا بچہ پرنالے پر چڑھ گیا ہے اگر میں اس کو بلاتی ہوں تو وہ میرے پاس نہیں آتا اگر میں اس کو ویسے چھوڑوں تو ڈر لگتا ہے کہ کہیں نیچے ہی نہ گر جائے اس کو اتنی سمجھ نہیں ہے کہ بات کو سمجھ سکے۔ اگر میں اس کو اپنے پاس آنے کا اشارہ کرتی ہوں اور کہتی ہوں کہ آرام سے نیچے اتر آ ورنہ گرنے کا خطرہ ہے تو وہ میرے اشارہ کو بھی نہیں سمجھتا میں نے بڑی کوشش کی ہے کہ کس طرح وہ پرنالے سے اتر آئے مگر میری کوئی بھی کوشش کامیاب نہیں ہو رہی ہے میں بھاگی بھاگی آپ کی خدمت میں آئی ہوں تاکہ آپ مجھے کوئی ایسا حل بتائیں جس سے میرا بچہ پرنالے سے نیچے اتر آئے اور میری پریشانی ختم ہو۔

حضرت علیؓ نے فرمایا، تم یوں کرو کہ ایک دورے بچے کو پرنالے کے اوپر والی کوٹھے کی چھت پر لے جا کر کھڑا کر دو تاکہ وہ بچہ اپنے ہم جنس کو دیکھے اس طرح وہ فورا پرنالے سے اپنے ہم جنس کی طرف عورت آجائے گا اس لیے کہ ہم جنس ہمیشہ اپنے ہم جنس پر عاشق ہوتا ہے۔ چنانچہ اس عورت نے ایسا ہی کیا اور ایک دوسرے بچے کو چھت پر کھڑا کر دیا اور جب بچے نے اس کو دیکھا تو اس نے خوشی خوشی اپنے ہم جنس کی طرف رخ کیا اور پرنالے پر سے چھت پر آ گیا اس طرح پرنالے سے نیچے گرنے سے بچ گیا۔

ہیرا اور جوہری

ایک جگہ کوڑے کا ڈھیر پڑا تھا۔ ایک مرغ اس کو کرید نے لگا۔ اسی کوشش اور جستجو میں اس کو ہیرا پڑا نظر آیا۔ بولا کہ بیشک تو بیش قیمت ہے مگر مجھے اس سے کیا۔ تو اگر کسی جوہری کو مل گیا ہوتا تو تیری قدر کرتا۔ تجھے اپنی دستار میں سجاتا۔ بہتر تھا کہ تیرے عوض مجھے کسی اناج کا کوئی دانہ مل گیا ہوتا۔

گدھا، شیر اور لومڑی

ایک شیر اور ہاتھی آمنے سامنے ہو پڑے۔ دونوں میں خوب لڑائی ہوئی۔ ہاتھی تو شیر کے زخموں کو برداشت کر گیا۔ شیر بری طرح خستہ ہوا۔ اور شکار کرنے سے بھی رہ گیا۔ کئی دن بھوک میں گزر گئے۔ شیر کے ساتھ دو لومڑیاں رہا کرتی تھیں۔ جو اس کا پس خوردہ وہ (جھوٹا) کھا کر پیٹ بھر لیا کرتی تھیں۔ جب شیر شکار سے عاجز آ گیا تو یہ بھی بھوکی مرنے لگیں۔ شیر نے کہا اگر یہی حالت رہی تو تم جیو گی نہ میں۔ کچھ حیلہ کرنا چاہیے۔ تم ہی میں سے ایک روبارہ (لومڑی) اس سرسبز جنگل سے پار چلی جائے۔ اور کسی گدھے یا گائے کو باتوں میں لگا کر میرے پاس لے آئے۔ میں اسے مار کر کھاؤں گا اور پھر بچا کچھا کر تم کھا لینا۔

ایک روباہ جو بڑی حیلہ ساز اور چالاک تھی۔ آداب بجا لا کر رخصت ہوئی۔ اور ایک دھوبی کے گدھے سے جا ملی۔ جو سنگلاخ زمین میں گری پڑی چیز کھا کر اور پانی پی کر زندگی کے دن پورے کر رہا تھا۔ بوجھ اٹھا اٹھا کر اس کی پیٹھ زخمی ہو گئی تھی۔ اور فاقوں کے مارے پیٹ پیٹھ کے برابر ہو گیا تھا۔ روباہ گدھے کے پاس پہنچی اور دونوں میں جو گفتگو ہوئی وہ سننے کے لائق ہے۔

لومڑی اے بھائی لاغر گدھے اسلام گدھا بولا وعلیکم السلام

لومڑی۔ کب تک اس سنگلاخ اور خشک جگہ میں پڑے مصیبتیں جھیلو گے۔

گدھا۔ اگر میں غم والم میں مبتلا ہوں۔ تو میں اللہ پر شاکر ہوں جو اس نے قسمت میں دیا۔ میں اسی پر خوش ہوں۔ خواہ مجھے خیر پہنچے یا شر میں اس کا ہی شکر ادا کرتا رہوں گا۔ کیونکہ قضا سے عدول ممکن نہیں۔ خدا سے عدول ممکن نہیں خدائے قسام نے جو مقدر کر دیا۔ اس کا گلا کرنا کفر ہے صبر کا بڑا اجر ہے۔ صبر ہی سے کشائش ملتی ہے۔ اور صابروں کو جور و حرج نہیں پہنچتا۔ پرندے مچھلیاں سانپ اور چیونٹیاں اپنی اپنی قسمت کی کھاتی ہیں۔ سب کا روزی رساں وہی ہے۔ اس کے خزانے میں کمی نہیں۔

بھوکا کوئی نہیں مرتا تو اگر زندہ دل ہے تو راضی بہ قضا ہو۔ دوست اللہ ہی ہے۔ باقی سب دشمن ہیں وہ احمق ہے جو دشمن کے پاس دوست کا گلا کرے تو شکر کرتا کہ تیری حالت اس سے بدتر نہ ہو جائے ورنہ تو ایسی ہو جائے گی جیسا گدھا دلدل میں پھنسا ہو۔ مجھے جب وہ دوغ (دہی) دنیا ہی مفید سمجھتا ہے تو میں انگبین (شہد) کیوں مانگوں جتنی نعمت زیادہ ہو گی۔ اتنا ہی غم بڑھے گا۔ خزانے کی طرف جاؤ گے سانپ کاٹنے کی دوڑے گا پھول کی طرف ہاتھ بڑھاؤ گے تو کانٹا چبھے گا۔ اس دنیا میں خوشی کے ساتھ غم لگا ہوا ہے۔

لومڑی۔ بھائی گدھے۔ حلال رزق کی تلاش فرض ہے کہ دنیا عالم اسباب ہے یہاں بغیر کوشش کے رزق نہیں ملتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ واللغوا من فضل اللہ یعنی اللہ کے فضل سے (روزی) تلاش کرو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رزق بند دروازوں اور قفلوں کے اندر ہے۔ یہ قفل اور بند تب ہی کھلتے ہیں جب آدمی کوشش اور کسب کرے۔ بغیر طلب کیئے روٹی ماننا اللہ کی سنت نہیں اگر تو کنویں میں بیٹھا رہے تو تجھے وہاں رزق نہیں پہنچے گا۔

گدھا بولا لومڑی۔ خدا کنویں میں بھی رزق پہنچا دیتا ہے۔ بشرطیکہ پورا توکل ہو۔ جس نے جان دی ہے وہ نان بھی دے گا دام دود (چوپائے اور درندے) سب رزق کھاتے ہیں۔ مگر وہ کوئی کسب کرتے ہیں۔ نہ رزق کو اٹھائے پھرتے ہیں۔ سب کو رزاق روزی دیتا ہے۔ اور ہر ایک کی قسمت اسے مل جاتی ہے جو صبر کرتا ہے۔ روزی پالیتا ہے رنج اور کوشش بے صبری کی وجہ سے ہے۔

بھائی گدھے ایسا توکل کون کرسکتا ہے یہ تو نادر بات ہے نادر کے گرد پھرنا نادانی ہے۔ ہر ایک بادشاہ نہیں ہوسکتا۔ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ قناعت ایک خزانہ ہے۔ تو اپنی قدر پہچان اور اپنی قدر سے بڑھ کر قدم نہ رکھتا کہ تو منہ کے بل نہ گرے۔ کوشش کر اور روزی تلاش کے لئے باہر نکل توکل کرنے کی طاقت

حاصل نہیں ہو سکتی۔

گدھا۔ بہن لومڑی تو کیسی الٹی باتیں کر رہی ہے۔ طمع میں بڑی خرابیاں ہیں۔ قانع آدمی کو کوئی خطرہ نہیں۔ ہمیشہ طماع ہی کی جان جاتی ہے۔ لالچ سے کوئی بادشاہ نہیں بن جاتا۔ زرق تو کتوں اور سوروں کو بھی مل جاتا ہے۔ بتاؤ تو سہی کہ یہ بارش جس پر کل تو رزق پر عاشق ہے۔ اسی طرح رزق بھی تجھ پر عاشق ہے۔ اگر تو اس کی طرف نہ دوڑے پھر بھی تجھے مل جائے گا۔ اگر کوشش کرے تو بھی پہنچ جائے گا۔ مگر دردسر کے ساتھ۔

ایک زاہد نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ کوئی چاہے یا نہ چاہے رزق اس کے پاس عاشق کی طرح خود ہی پہنچ جاتا ہے۔

یہ زاہد آزمانے کے لیے پہاڑ کے پاس ایک بیاباں میں چلا گیا۔ اور وہاں بھوکا لیٹ رہا۔ دیکھا کہ ایسی خطرناک جگہ ایک آدمی پڑا ہے۔ انہوں نے پاس آ کر اسے ہلایا اور بلایا۔ مگر وہ جان بوجھ کر چپ رہا۔ نہ ہلا نہ بولا۔ چونکہ وہ سانس لے رہا تھا اس لیے کاروائیوں نے سمجھا کہ ہے تو زندہ مگر اسے بھوک سے سکتہ وہ گیا ہے وہ کھانا لائے تا کہ اس کے منہ کھول کر اس میں ڈال دے۔ اس نے عملاً مضبوطی سے دانت بند کر لیے۔ اب تو انہیں یقین ہو گیا کہ اسے ضرور سکتہ ہی ہے۔ انہیں اسکی حالت پر اور بھی رحم آیا۔ وہ چھری لائے جسے اس کے دانتوں میں دے کر اس کا منہ کھولا گیا۔ جب منہ کھلا تو انہوں نے فوراً شوربہ ڈال کر بذریعہ حلق اسے کے پیٹ میں پہنچا دیا۔ زاہد نے دل سے کہا تو چپ ہے راز دان ہو کر ناز کرتا ہے۔ دل نے جواب دیا۔ میں قصداً ایسا کر رہا ہوں۔ تا کہ تجھے یقین ہو جائے کہ جان وتن کا اللہ ہی رازق ہے۔ اس سے زیادہ اور کیا امتحان ہوگا۔ تو نے دیکھ نہیں لیا۔ کہ صابروں کی طرف زرق خود اڑ کر جاتا ہے۔ اب تو توکل پر جم جا۔ زاہد نے کہا رسول اللہ ﷺ جو فرمایا تھا اس کی تصدیق ہو گئی۔

لومڑی۔ بھائی گدھے۔ یہ قصے چھوڑ دو۔ اور ادھر ادھر ہاتھ پاؤں ہلا کر فقر و فاقہ دور کرو۔ دنیا کا کام ایک دوسرے کی مدد سے چلتا ہے ہر آدمی خود ہی سب کام نہیں کر سکتا۔ کوئی بڑھئی کا کام کرتا ہے۔ کوئی پانی دینے کا کائی کپڑا بننے کا۔ اگر سب توکل کر کے بیٹھ جائیں تو دنیا کا نظام کس طرح چلے۔

گدھا۔ بواہ لومڑی۔ تو نے چخ چخ لگا رکھی ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ توکل سے بڑھ کر کوئی کسب ہے۔ جتنا اس کا شکر ادا کرو گے اتنا رزق زیادہ ملے گا۔ اے خدا! مجھے توکل میں ثابت قدم رکھ۔ کیونکہ توکل سے کوئی کسی کا محتاج نہیں ہوتا ہے۔ نہ اس پر کوئی لگان ہے نہ خراج۔

جب وہ اس سوال و جواب سے تھک گئے تو لومڑی نے گفتگو کا پہلو بدلا اور کہنے لگی کہ تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم سنا کہ لا تلقو بایدیکم الی التھلکہ یعنی اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا خشک صحرا اور سنگلاخ زمیں میں سفر کرنا۔ اور خدا کی فراخ زمین کو چھوڑ دینا حمقی ہے۔

یہاں پاس ہی مرغزار ہے جس کے درمیان نہر جاری ہے۔ وہاں جا رک چارہ کھا۔ اس جنت جیسی سر سبز چراگاہیں جہاں اونٹ بھی ناپید ہو جاتا ہے۔ حیوان جا پہنچے وہ بڑا ہی خوش نصیب ہے۔ گدھے کو اتنی سمجھ نہ آئی جو اس سے پوچھتا کہ جب وہاں ایسی شادابی ہے تو تو وہاں رہ کر کیوں ایسی مردہ بنی ہوئی ہے؟ تجھ میں کیوں فربہی و فر دنشاط کا نام نہیں؟ تیرا جسم کیوں اتنا لاغر و نحیف ہے؟ اگر تیرا بیان غلط نہیں تو پھر آنکھ کیوں سرور سے مخمور نہیں؟ تیری گدا چشمی اور نادیدگی تیری تقریر کا اعلان کر رہی ہے۔ جب تو ایسے تر و تازہ چشمہ پر سے آئی ہے تو تیرے جسم پر کیوں خشکی چھائی ہوئی ہے۔ اگر تو فاقہ آہو ہے تو بوئے مشک کہاں ہے؟ اگر تو گلزار جنت سے آ رہی ہے تو تحفہ کے لیے تیری پاس کونسا گلدستہ ہے؟ جو کچھ تو نے کہا اس کی نشانی تیرے پاس ایک بھی نہیں۔

لومڑی کی مثال تو اس اونٹ کی سی ہے۔ جن کے زانوؤں تک گردو غار چڑھا ہو تھا۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ کہا سے آرہے ہوتو اس نے جواب دیا کہ تمہارے محلّہ کے گرم حمام سے۔ پوچھنے والے نے کہا ٹھیک ہے۔ جبھی تو تمہارے زانو اس قدر صاف ستھرے ہیں۔

گدھے نے دو تین بار تو لومڑی کی دلیلوں کو رد کر دیا۔ مگر چونکہ اس میں اپنی کوئی عقل نہ تھی اس لیے اس کے فریب میں آ گیا۔ کھانے کی حرص کے سامنے اس کے دلائل گاؤخور د ہو گئے۔ جس شخص میں دانش و خرد ہو وہ دلائل سے کیا کام لے سکتا ہے۔

ایک بزدل شخص کی کسی بدمعاش نے بے عزتی کی۔ بزدل شخص کی کمر میں خنجر بندھا تھا۔ اس نے پوچھا یہ کس لئے باندھ رکھا ہے۔ کہ اس شخص ک اپیٹ پھاڑ نے کے لئے جو میری بے عزتی کرے۔ بدمعاش بولا۔ الحمداللہ کہ میں نے تیرے ساتھ ایسانہیں کیا۔

الغرض لومڑی چارے کا چکمہ دے کر گدھے کو شیر کے پاس لے آئی۔ شیر گدھے کو آتا دیکھ کر خوشی سے اچھلا اور گر جا۔ گدھا شیر کو دیکھ کر الٹے پاؤں پہاڑ کی طرف بھاگا ہانپتا کانپتا اپنے مقام پر جا پہنچا۔ شیر مین زیادہ چلنے کی طاقت نہ تھی۔ اس لئے منہ تکتا رہ گیا۔ لومڑی نے شیر سے کہا واہ جناب آپ نے تو بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا۔ گدھے کو پاس آنے دیا ہوتا۔ ذرا صبر نہ کیا۔ آپ کو معلوم نہ تھا کہ تعجیل و شتاب شیطانی مکر ہے۔ اور صبر و احتساب رحمانی کام۔

گدھا دور تھا۔ حملے کے آثار دیکھ کر بھاگ گیا۔ افسوس آپ کے ضعف نے آپ کا وقار کھو دیا۔ شیر نے کہا میں نے سمجھا کہ مجھ میں قوت عود کر آئی ہے۔ حقیقت ہے کہ میں اپنی کمزوری سے بے خبر تھا۔ بھوک اور احتیاج نے غلبہ کر کے مجھ سے میر اصبر و عقل چھین لی تیری بڑی مہربانی ہو گی اگر تو اسے پھر جا کر کسی حیلے سے یہاں

لائے۔ اگر یہ گدھا مل جائے تو پھر شکار کرنے کی طاقت پیدا ہو جائے گی۔ اور میں تجھے کئی شکار مار دونگا۔

لومڑی نے کہا خدا کی توفیق سے میں اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اسے یہاں لے آؤں گی۔ آخر گدھا ہی ہے۔ اس کے دل سے خوف جلد زائل ہو جائے گا۔ مگر اتنی مہربانی کرنا کہ جب تک گدھا بالکل قریب نہ آ جائے حملہ نہ کرنا۔ تا کہ پہلے کی طرح پھرنا کامی کا منہ نہ دیکھنا پڑے۔ شیر نے کہا میں ایک دفعہ تجربہ کر چکا ہوں۔ اب جلدی نہ کرونگا۔ اپنی جگہ پڑا رہوں گا۔ تا کہ وہ میرے پاس آ جائے۔

لومڑی نے جاتے ہوئے کہا۔ اے بادشاہ دعا کرنا کہ گدھے کی عقل پر غفلت طاری ہو جائے۔ گدھے نے تو نہ کی ہے کہ اب وہ کسی کے جھانسے میں نہ آئے گا۔ ہم کسی نہ کسی فن سے اس کی توبہ توڑ دیں گے کیونکہ ہم عقل او وعہد کے دشمن ہیں۔ گدھے کے عہد اور اس کی سمجھ پر غلبہ پالینا ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ جب نقص عہد اور شکست توبہ کا مجرم ہو جائے گا۔ تو اس کی بربادی یقینی ہے۔ اصحاب سبت نے جب یوم ممنوع مچھلیوں کا شکار کر کے عہد توڑ دیا۔ تو ان کی صورتیں مسخ ہو گئیں۔ اور وہ بندر بن گئے۔ اب رسول اللہ ﷺ کی برکت سے شکلوں پر تو پھٹکار نہیں پڑتی۔ مگر منکروں کے دل بے نور ہو جاتے ہیں۔ گدھا عہد توڑ دے گا۔ تو اس کی عقل مسخ ہو جائیگی اور ہمارے ہتھے چڑھ جائے گا۔

القصہ لومڑی ایسے خیال پکاتی ہوئی گدھے کے پاس آئی۔

گدھا۔ واہ بواہ لومڑی تو تو بڑی فریبی نکلی تجھ جیسا دوست ہو تو دشمن کی ضرورت کیا۔ بتا میں نے تجھ سے کیا دشمنی کی تھی کہ تو میری جان کی لاگو بن گئی۔ اور سوائے اس کے کیا کہوں کہ عقرب کی طرح تیرا کام نیش زنی ہے۔ جس طرح شیطان بغیر کیس عداوت کے آدم کا عدو بن گیا۔ اسی طرح تو نے مجھ بے گناہ کے ساتھ لیے اس کو بھوکا رہنے نے کچھ فائدہ نہ دیا۔

خدا کے فقر دوست بندے جوع (بھوک) سے بڑی لذت حاصل کرتے ہیں۔ا ن سے ان کی قوت زیادہ ہوتی ہے۔ایک شخص گندم کی چھان یا جو کے آٹے کی روٹی کھاتا تھا۔دوسرے نے پوچھا تجھے اس سے کس طرح طاقت آتی ہے؟ اس نے جواب دیا جب بھوک صبر سے مل جاتی ہے تو میرے لیے نان حلوا بن جاتا ہے۔نعمت جوع کمینے گداؤں کو نہیں دیتے۔روٹی کے بندوں کے لیے ارب نے افراط روٹیاں فراہم کر رکھی ہیں اور بندگان نان کی زندگی بھوکا مر جانے سے بدتر ہے۔

ایسے ایسے نکات بیان کرنے کے بعد مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ روباہ گدھے کو شیر کے پاس لے گئی وہ غرا کر اٹھا اور ایک ہی پنجے سے اس کا کام تمام کر دیا کچھ کھا کر پیاس لگی تو وہ چشمہ پر پانی پینے گیا۔تو اس کے پیچھے لومڑی کو موقع ملا اور وہ جھٹ گدھے کا دال اور جگر چٹ کر گئی شیر نے واپس آ کر ان دونوں چیزوں کی تلاش کی مگر کچھ نہ ملا آخر روباہ سے پوچھا کہ ہر جانور کا دل و جگر ہوتا ہے گدھے کا کہاں ہے؟ روباہ نے جواب دیا اس گدھے کا دل تھا نہ جگر۔اگر یہ دونوں اعضائے رئیسہ اس کے وجود میں ہوتے ہیں تو جب ایک دفعہ موت کا منہ دیکھ کر بھاگ چکا تھا۔تو پھر اس جگہ کیوں آتا۔دل میں اگر نور نہ ہو تو وہ دل نہیں۔بدن میں اگر روح نہ ہو تو وہ محض مٹی ہے۔جس قندیل میں بتی نہ جلتی ہو۔اسے زجاج نہ کہو۔بلکہ قاورہ بول کہو۔ مصباح (چراغ) کا نور اللہ کی عطا ہے اور چمنی اور لیمپ بندوں کی مصنوعات ہیں۔ جس نے نور کو دیکھا وہ مومن بن گیا۔جس نے لیمپ اور چمنی کو دیکھا وہ یہودی مشرک بن گیا۔مومن کی نظر روح پر ہوتی ہے اس لئے اس کو خلیل" اور مصطفےٰ" ایک نظر آتے ہیں۔یہودی کی نگاہ ظرف ہوتی ہے۔

لومڑی اور بکری

ایک لومڑی ایک گہرے گڑھے میں گر گئی جس میں بارش کا پانی اکٹھا ہو رہا تھا۔ لومڑی نے اچھل کود کر گڑھے سے باہر نکلنے کی بڑی کوشش کی لیکن گڑھے سے باہر نکلنے میں کامیاب نہ ہوسکی۔ وہ زندگی سے مایوس ہوگئی۔

اتفاق سے ایک بکری بھی چلتے پھرتے اس گڑھے پر آ گئی اور لومڑی کو دیکھ کر اس نے کہا کہ پیاس سے میرا برا حال ہو رہا ہے۔

لومڑی نے جواب دیا۔ کوئی غم نہ کرو بی بکری۔ نیچے آ جاؤ اور شوق سے جتنا جی چاہے پانی پیو۔

بکری اچھل کر گڑھے میں اتر گئی یہ نہ سوچا کہ کیسے باہر جاؤں گی۔ جب وہ پانی پی کر پیاس بجھا چکی تو بولی کہ اب میں باہر کیسے جاؤں؟

لومڑی بولی۔ اس میں پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں۔ میں تمھیں ایک ترکیب بتاتی ہوں۔ اپنے اگلے پیر دیوار پر رکھو۔ میں تم پر بیٹھ کر باہر نکل جاؤں گی۔ اور پھر تمہاری ٹانگ پکڑ کر تمہیں اوپر کھینچ لوں گی۔

بکری نے لومڑی کے کہنے پر عمل کیا۔ لومڑی اس کی پیٹھ بیٹھ کر گڑھے سے باہر نکل گئی۔ اور چلتی بنی۔ اس نے وعدہ خلافی کی۔ اپنی جان بچا کر بھاگ نکلی اور بکری کی جان کا اس نے کچھ خیال نہ کیا۔ بکری اسی طرح گڑھے میں گری رہی اور کچھ دنوں کے بعد مر گئی۔

میرا پیٹ بھر گیا ہے

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ شام کے وقت حضور اکرم ﷺ مسجد نبوی ﷺ میں تشریف فرما تھے کہ اچانک چند کافر وہاں پر آ گئے اور کہنے لگے، اے محمد ﷺ! ہم بے سرو سامان ہیں اور بہت دور سے آئے ہیں ایک رات کے لیے ہمیں اپنے پاس مہمان بنا کر رکھ لیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اے میرے صحابہ ان مہمانوں کو آپس میں بانٹ لو چنانچہ ہر ایک صحابی نے ایک مہمان منتخب کر لیا۔ ان مہمانوں میں سے ایک بہت پیٹو اور بسیار خور تھا۔ چونکہ یہ جسامت میں بھی بہت موٹا تھا اس لیے اس کو کوئی اپنے گھر نہ لے کر گیا وہ اکیلا مسجد نبوی میں رہ گیا۔ جب کسی نے بھی اس کو قبول نہ کیا تو حضور اکرم ﷺ اس کو اپنے ساتھ مہمان بنا کر لے گئے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے گلے میں سات بکریاں دودھ دینے والی تھیں یہ دودھ دینے والی بکریاں جنگل میں نہ جاتی تھیں تا کہ ضرورت کے وقت انکا دودھ دھو کر استعمال کر لیا جائے۔ حضور سرور کائنات ﷺ نے مہمان کے لیے دستر خوان بچھایا اور گھر میں جو روٹی اور سالن پکا ہوا تھا اس کے سامنے لا رکھا وہ مہمان جس کا نام عوج بن عنق تھا وہ سب کچھ کھا گیا اس کے بعد یکے بعد دیگرے ساتوں بکریوں کا دودھ بھی پی گیا حتیٰ کہ اس بسیار خور نے گھر والوں کے کھانے کے لیے کچھ بھی نہ چھوڑا یعنی وہ اٹھارہ آدمیوں کا حصہ اکیلا ہی کھا گیا حضور اکرم ﷺ کی ایک لونڈی کو پر غصہ آیا۔ چنانچہ جب وہ مہمان سونے لیے حجرے میں گیا تو لونڈی جو کہ غصے میں بھری ہوئی تھی اس نے باہر سے دروازے کی کنڈی لگا دی۔

جب آدھی رات ہوئی تو اس کافر کو بدہضمی کی وجہ سے قضائے حاجت کی ضرورت درپیش ہوئی اور پیٹ میں درد شروع ہوا وہ اپنے بستر سے اٹھ کر دورازے کی طرف دوڑا لیکن جب دورازے پر ہاتھ رکھا تو اس کو بند پایا اس نے دورازہ کھولنے کی بہت

تدبیریں کیں مگر دروازہ نہ کھلا اس پر وہ بڑا پریشان ہوا قضائے حاجب کی شکایت بڑھتی جارہی تھی آخر کار اس نے قضائے حاجت کو دبانے کی یہ تدبیر کی کہ بستر پر لیٹ کر سو گیا۔ نیند کی حالت میں اسے ایک خواب دکھائی دیا اور اس نے خواب میں اپنے آپ کو ایک ویرانہ میں دیکھا جب اس نے اپنے آپ کو خالی ویرانہ میں دیکھا تو چونکہ اسے ایسے ہی ویرانے کی ضرورت تھی اس لیے نیند کی حالت میں ہی اس نے بستر پر پاخانہ کر دیا۔ ابھی وہ قضائے حاجت سے فارغ ہوا ہی تھا کہ اس کی نیند بھی کھل گئی اس نے بستر کی طرف نگاہ دوڑائی تو وہ نجاست سے بھرا ہوا تھا۔ اب تو وہ بہت پریشان ہوا اس کے دل میں نازیبا حرکت سے بہت سی پریشانیاں پیدا ہو گئیں۔ وہ اپنی رسوائی کے ڈر سے کانپ اٹھا دل میں کہا کہ میرا سوان میری بیداری سے بھی بدتر ہے یعنی جاگتے ہیں زیادہ کھالیا اور سوتے میں بستر پر پاخانہ کر دیا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ کیا کرے۔ اب وہ اس بات کا منتظر تھا کہ یہ رات کب ختم ہو گی تاکہ دروازہ کھلنے کی آواز آئے اور وہ کمان سے نکلے ہوئے تیر کی طرح یہاں سے بھاگ اٹھے تاکہ کوئی اس کو اس حالت میں نہ دیکھے۔

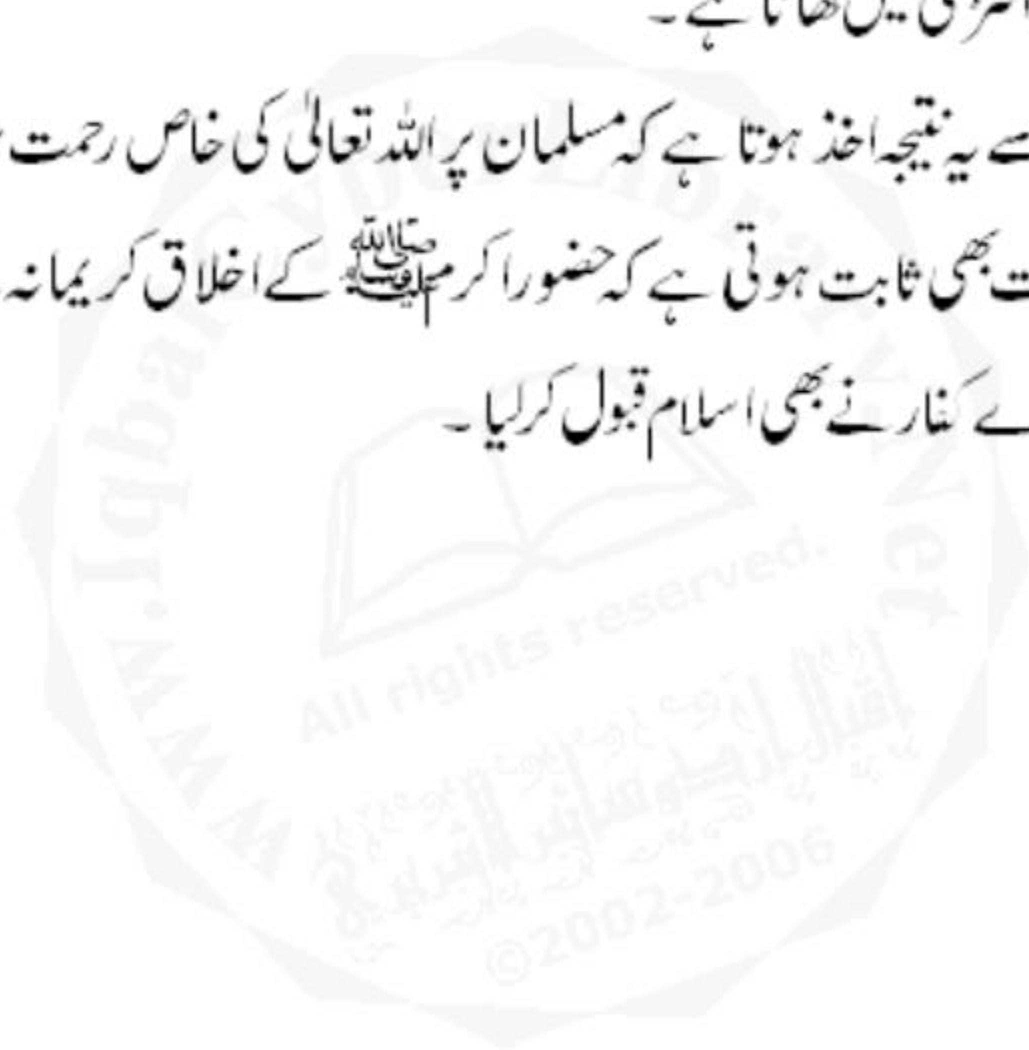
حضور نبی اکرم ﷺ کو پردہ غیب سے مہمان کی یہ حرکت معلوم ہو چکی تھی چنانچہ صبح کے وقت آپ خود تشریف لائے اور دروازہ کھول کر خود چھپ گئے تاکہ اس کو شرمندگی نہ ہو اور وہ باہر نکل کر بلا دھڑک چلا جائے۔ جب کافر نے دروازہ کھلا دیکھا تو خاموشی سے باہر نکل کر بھاگ اٹھا۔ اسی اثناء میں ایک صحابیؓ وہاں پر آئے اور حجرے میں داخل ہوئے اور بستر اٹھا کر حضور اکرم ﷺ کے سامنے لے کر آئے اور کہا، یا رسول اللہ ﷺ آپ کے سامنے لے کر آئے اور کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ کے مہمان نے یہ کیا کر دیا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ مسکرا دیے اور فرمایا ایک لوٹا پانی کا بھر کر لے آؤ تاکہ میں اس نجاست کو اپنے ہاتھوں سے دھو دوں۔ تھوڑی دیر میں وہاں پر اور صحابہ کرامؓ بھی تشریف لے آئے سب اس کام کے لیے آگے بڑھے

کہ اس گندگی کو ہم دھو دیتے ہیں آپ ﷺ رہنے دیں مگر حضور ﷺ نے فرمایا یہ نجاست میں خود اپنے ہاتھوں سے دھوؤں گا۔ ادھر وہ مہمان جب بھاگ کر بہت دور چلا گیا تو اسے یاد آیا کہ اس کے پاس ایک نہایت یادگار قسم کی مورتی تھی جواب نہیں ہے اس نے خیال کیا کہ وہ حجرہ جہاں میں نے رات کو قیام کیا تھا لاعلمی اور عجلت میں مورتی اس جگہ پر چھوڑ آیا ہوں اگر چہ وہ اپنے فعل سے شرمندہ تھا مگر مورتی کی حرص نے اس کی شرمندگی ختم کر دی اور اس کو دوبارہ لوٹنے پر مجبور کر دیا وہ مورتی کیلئے واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ حضور سرور کائنات ﷺ اپنے دست مبارک سے اس کی نجاست دھو رہے تھے وہ حضور نبی کریم ﷺ کے ان کریمانہ اخلاق کو دیکھ کر اس قدر متاثر ہوا کہ مورتی کو بھول گیا اور دیوانہ وار اپنا سر دیواروں سے ٹکرانے لگا جب اس کے سر سے خون بہا تو حضور ﷺ کو اس پر رحم آ گیا۔ وہ مہمان نعرے مارتا تھا اور کہتا تھا اے لوگو حضور پاک ﷺ کی مخالفت سے ڈرو۔ پھر وہ اپنا منہ آسمان کی طرف اٹھا کر کہتا تھا کہ میرا منہ اس قابل نہیں کہ حضور ﷺ کے روبرو ہوں۔ حضور اکرم ﷺ اس کی یہ بے قراری دیکھ کر اٹھے اور اسے اپنے سینہ اقدس سے لگا لیا پھر اس کو اطمینان دلایا اور تسلی دیتے ہوئے نور ایمان عطا فرمایا۔

اس کے بعد حضور سرور کائنات ﷺ نے اس پر ایمان پیش فرمایا اس نے فوراً کلمہ شہادت پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تو آج کی رات بھی ہمارا مہمان رہ۔ اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! خدا کی قسم! میں تو ہمیشہ کے لیے آپ کا مہمان ہوں اب تو میں جہاں کہیں بھی رہوں آپ کے دستر خوان کا خوشہ چین ہوں آپ نے مجھے حیات ابدی عنایت فرمائی ہے۔ چنانچہ وہ عربی اس رات پھر حضور نبی کریم ﷺ کا مہمان ہو گیا۔ حضور ﷺ نے اس سے مزید کھانے پر اصرار فرمایا کہ دودھ اور روٹی کھالے مگر اس نے کہا کہ خدا کی قسم! میں ایمانداری سے کہہ رہا ہوں کہ میرا پیٹ بھر گیا ہے۔ سب گھر والے حیران تھے کہ آج یہ مہمان تھوڑی سی غذا

سے ہی سیر ہو گیا۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ کافر سات انتڑیوں میں کھاتا ہے اور مومن ایک انتڑی میں کھاتا ہے۔

اس واقعہ سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ مسلمان پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہوتی ہے اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے اخلاق کریمانہ سے متاثر ہو کر بڑے بڑے کفار نے بھی اسلام قبول کر لیا۔



تیرا خواب سچا ہے

ایک دفعہ ایک یہودی، عیسائی اور مسلمان سفر میں اکٹھے ہو گئے۔ او تینوں ایک منزل پر پہنچے۔ ایک شخص ثواب حاصل کرنے کے لیے بڑا مزیدار حلوا پکا لایا۔ جو شہد اور میوے ڈال کر بنایا گیا تھا۔ ساتھ گرم گرم نان بھی تھے۔ شام کا وقت تھا۔ عیسائی اور موسائی کھانا کھا چکے تھے۔ مگر مسلمان نے ابھ روزہ افطار کیا تھا۔ اس کے دو غیر مسلم ساتھیوں نے کہا کہ ہم تو سیر ہو چکے یہ کھانا آج رکھ چھوڑتے ہیں کل کھائیں گے۔ آج رات صبر کرتے ہیں۔

مسلمان نے کہا کہ یہ نان اور حلوا آج رات ہی کھایا جائے گا۔ صبر کل کریں گے۔

وہ بولے کیا تیری مرضی ہے کہ اکیلا کھا جائے۔ مسلمان نے کہا کہ ہم تین تن ہیں۔ اپنا اپنا حصہ بانٹ لیتے ہیں جو چاہے کل کے لیے رکھ چھوڑے۔

وہ بولے! خبردار تقسیم کا نام نہ لو۔ کیا تم نے نہیں سنا کہ بانٹنے والا دوزخی ہوتا ہے۔ مسلمان نے جواب دیا۔

یہ بات نہیں لیکن خیر تمہاری یہی مرضی ہے۔ کہ حلواہ تقسیم نہ ہو تو نہ سہی۔ پڑا رہنے دو۔

ان دونوں کا قصد یہ تھا کہ مسلمان کو رات کو بھوکا رکھیں۔ اگر وہ مسلمان چاہتا تو ان سے چھین کر کھا جاتا مگر وہ چپ رہا۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ جو صبح ہم تینوں میں سے اچھا خواب بیان کرے گا۔ حلوا اسی کا حق ہے۔

صبح بیدار ہوئے تو یہودی نے خواب بیان کرنا شروع کیا۔ کہ مجھے رات حضرت موسیٰ ملے۔ میں ان کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گیا۔ وہ کوہ طور پر پہنچے۔ اللہ کے نور نے ہم تینوں یعنی موسیٰ، مجھے اور کوہ کو ڈھانپ لیا۔ اور ہم اس نور میں گم ہو گئے۔ نور الٰہی کے جلوے سے طور کانپا اور تین ٹکڑے ہو گئے۔ ایک ٹکڑا سمندر میں گرا۔ جس سے اس کا پانی بیٹھ گیا۔ اور وہاں سے میٹھے پانی کا چشمہ پھوٹ کر بہہ نکلا۔ یہ پانی جس بیمار

نے پیا اس کی بیماری دور ہوگئی۔

تیسرا ٹکڑا اڑ کر کعبے کے پاس عرفات میں جا پہنچا۔ اس واقعہ نے ہم کو بے ہوش کر دیا۔ جب ہوش آیا تو دیکھا کہ طور اپنے مقام پر سالم موجود ہے۔ مگر پھر وہ حضرت موسیٰ کے قدموں تلے پگھلنا شروع ہوا۔ اور زمین کے برابر ہوگیا۔ یہ حالت دیکھ کر مجھ پر بے ہوشی طاری ہوگئی۔ جب پھر سنبھلا تو طور اور موسیٰ کو ویسا ہی برقرار پایا۔ دامن کوہ کی طرف جو نظر کی تو اس میں بڑے بڑے انبیاء اور اولیا دکھائی دیے۔ جو حضرت موسیٰ کی طرح رب ارنی کا نعرہ لگاتے ہوئے طور کی طرف آ رہے تھے۔ پھر عجیب مخلوق نظر آئی جس کے سب اعضاء برف کے تھے۔ اس کے بعد آتشیں صورت کی خلقت دکھائی دی۔ الغرض یہودی نے بڑی شان سے اپنا خواب بیان کیا۔

پھر عیسائی گویا ہوا کہ مجھے حضرت عیسیٰ خواب میں ملے اور اپنے ساتھ چوتھے آسمان پر لے گئے۔ وہاں میں نے سورج کا ٹھکانہ اور مرکز دیکھا۔ اور ایسی چیزیں دیکھیں کہ زمین پر ان کا آنا ناممکن ہے۔ یہودی نے جو کچھ دیکھا زمین پر دیکھا میں نے آسمان کی سیر کی۔ میرا اور اس کا کیا مقابلہ۔

اب مسلمان کی باری آئی۔ وہ بولا۔

''دوستو! مجھے میرے بادشاہ حضرت محمد ﷺ ملے۔

اور فرمایا کہ تمہارا ایک ہم سفر تو موسیٰ کے ساتھ طور کی سیر کر رہا ہے۔ اور دوسرا عیسیٰ کے ساتھ چوتھے آسمان پر ہے۔ ان دونوں نے فرشتوں کا درجہ حاصل کر لیا۔ انہیں کھانے پینے کی ضرورت نہیں رہی۔ تو بھوکا ہے۔ زمین پر کیوں پڑا ہے۔ اٹھ اور حلوا کھالے؟۔''

جب یہودی اور عیسائی نے یہ سنا تو حیرت سے اس کا منہ تکنے لگے اور بولے۔ ''تو کیا تو نے حلوا کھا لیا؟

مسلمان نے جواب دیا۔

"مسلمانوں پر رسول اللہ ﷺ کی اطاعت فرض ہے۔ حضور ﷺ کسی چیز کا حکم دیتے اور میں نہ کرتا۔ یہ کیسے ممکن تھا۔ اے یہودی تو ہی بتا کہ تو حضرت موسیٰ کے حکم سرکشی کرسکتا ہے؟ اے عیسائی تو ہی بتا کہ تجھے حضرت عیسیٰ کے ارشاد سے سرتابی زیبا ہے؟

یہ سن کروہ دونوں کہنے لگے۔

خدا کی قسم تیرا خواب سچا ہے۔ اور ہمارا خواب خیال ثابت ہوا اور تیرا عین بیداری۔ تو نے خواب سے کچھ حاصل کرلیا۔ اور ہم محروم رہے۔"

سامری نے ہنر سے حاصل کیا۔ مردود ہوگیا۔ قارون کو کیمیا سے کیا ملا؟ زمین میں غرق ہوگیا۔ ابوالجہل ابو الحکم تھا مگر اسے اس سے کچھ نفع نہ ہوا اور الٹا دوزخ میں جا گرا۔

بدصورت غلام

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے ایک لشکر کے ساتھ سفر میں تھے کہ پانی ختم ہوگیا۔ سب پر پیاس کی شدت نے غلبہ پالیا حضور سرور کائنات ﷺ نے حضرت علیؓ کی ایک جماعت کے ساتھ حکم دے کہ وہ پانی کی تلاش میں نکلیں ابھی وہ تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ انہیں ایک حبشی غلام اونٹ پر سوار جاتا ہوا دکھائی دیا، اس کے پاس پانی کا ایک مشکیزہ تھا اس اسے جب کہا گیا کہ وہ حضور نبی کریم ﷺ کے پاس چلا آئے تو اس نے انکار کر دیا اور کہنے لگا میں تو اس جادوگر کے پاس کبھی بھی نہیں جاؤں گا۔ حضرت علیؓ اس حبشی کو زبردستی حضور نبی کریم ﷺ کے پاس لے آئے حضور ﷺ نے حبشی سے مشکیزہ لے کر کھولا اور اپنا دست رحمت اس پر پھیرا تمام صحابہ کرام نے سیر ہو کر پانی پیا اور اپنے برتنوں میں بھر لیا مویشیوں کو بھی سیراب کیا مگر وہ مشکیزہ اس طرح پانی سے بھرا ہوا تھا۔ جسے حبشی غلام کے حوالے کر دیا گیا حبشی کے مشکیزہ سے ایک گھونٹ بھی پانی کم نہ ہوا تھا۔ صحابہ کرامؓ نے اپنے مال سے کچھ نہ کچھ اس غلام کو دیا وہ حبشی حضور ﷺ کا معجزہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ حضور سرور کائنات ﷺ نے اپنا دست اس حبشی کے سیاہ چہرے پر پھیرا تو وہ دست مبارک کی برکت سے چاند کی مانند خوب صورت ہو گیا اور چمکدار دکھائی دینے لگا حبشی غلام حضور ﷺ کا معجزہ دیکھ کر بڑا ہی متاثر ہوا آگے بڑھا اور حضور ﷺ کے دست مبارک کو بوسے دینے لگا اس کے ساتھ ہی اس نے اسلام قبول کیا اور پھر اپنے قبیلہ کی طرف چل دیا اس کے خوب صورت چہرے کو دیکھ کر حبشی غلام کے مالک نے کہا، یہ اونٹ تو میرا ہے، مشکیزہ بھی میرا ہے لیکن یہ سوار تو میرا حبشی غلام نہیں ہے۔ غلام کہنے لگا کہ میں ہی آپ کا غلام ہوں۔ اس کے مالک نے ماننے سے انکار کر دیا اور کہا میرا غلام تو سیاہ شکل کا بدصورت آدمی تھا مگر تم تو چاند کی مانند سفید اور خوبصورت ہو۔ حبشی نے اپنے مالک کو یقین دلانے کی کافی کوشش کی مگر مالک نے اس پہچاننے

سے صاف انکار کر دیا اس پر غلام نے صورت حال بیان کر کے مالک کے سامنے تمام حالات اور بعض دوسری علامتیں بتائیں تو اس سے مالک کو یقین ہو گیا کہ یہ وہی غلام ہے۔ اب تو حبشی کا مالک بھی اس سے سارا واقعہ سن کر بہت متاثر ہوا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اسلام کی دولت سے مالا مال ہوا اور غلام کو آزاد کر دیا۔



بدآواز والاموذن

ایک موذن بڑا کریہہ صورت وبدآواز اس کی دل خراش آواز سے سب نالاں تھے۔وہ رات کو جب بلند آواز سے آذان دیتا تو سننے والوں کی نیند حرام ہو جاتی۔ سروں میں درد ہونے لگ جاتا۔ بچے ڈر کر چونک پڑتے۔محلّہ والوں کی جان اس سے عذاب میں تھی۔آخر تنگ آکر سب نے صلاح کی کہ اسے کسی بہانہ سے نکالنا چاہیے اس لے لیے چندہ جمع کیا گیا۔اور بہت سارو پیہ اس کو دے کر عرض کیا کہ حضرت آپ بڑی خدمت کر چکے۔اب کچھ عرصہ آرام کیجئے۔قافلہ مکہ معظمہ جارہا ہے جائیے حج کر آیئے۔

موذن صاحب حج کو روانہ ہو گئے۔راہ میں ایک گاؤں آیا جس میں زیادہ آبادی کافروں کی تھی۔موذن صاحب بھلا کب چپ رہنے والے تھے۔گاؤں کے درمیان کھڑے ہو کر اذان دی۔آپ کو ابھی تک یہ زعم فاسد تھا کہ میں بڑا خوش آواز ہوں۔جب اذان دے کر یہ اپنے ڈیرے پر پہنچے تو دوسرے دن گاؤں کا ایک مجوسی مٹھائی کپڑے اور روپیہ لے کر تلاش کرتا ہوا آ پہنچا۔اور پوچھا وہ صاحب کہاں ہیں۔جنہوں نے کل اذان دی تھی۔پوچھا گیا کہو کیا کام ہے۔بولا میں ان کا بڑا شکر گزار ہوں۔میں ان کے لیے یہ ہدیہ لایا ہوں۔یہ سن کر سب حیران رہ گئے کہ یہ شخص بھی عجیب الٹی کھوپڑی کا انسان ہے۔کہ ایسی بری آواز پر مست ہو گیا۔اس نے ان کو زیادہ دیر حیران رکھنا مناسب نہ سمجھا اور کہا کہ میری ایک بیٹی ہے بڑی ذہین اس کی مدت سے آرزو تھی کہ مسلمان ہو جائے۔ہم اسے ہر طرح سمجھاتے رہے کہ یہ خیال چھوڑ دو اور اپنے باپ دادا والا مذہب نہ چھوڑو۔مگر اسے کوئی نصیحت کارگر نہ ہوتی تھی۔اسلام کی محبت اس کے دل میں جاگزیں ہو چکی تھی۔ہم اس غم سے دل ہی دل میں جل رہے تھے۔کہ اس موزن نے اذان دے دی۔لڑکی نے پوچھا کہ یہ کس کی مکروہ آواز ہے میں نے ایسی کریہہ آواز عمر بھر نہیں سنی۔اسے کہ

بہن نے کہا یہ اذان مسلمان کا مذہبی شعار ہے۔ اسے یقین نہ آیا۔ دوسروں سے پوچھا۔ تو بھی یہی جواب ملا کہ واقعی یہ اذان مومنوں کی دینی علامت ہے۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ حقیقت یہی ہے تو اس کا رنگ زرد ہو گیا اور ہمارا دل سرد ہو گیا۔ ہم تشویش و عذاب سے چھوٹ گئے۔ اور رات اطمینان سے سوئے۔ ہمیں واقعی اس کی آواز سے راحت پہنچی۔ اے ہمارے محسن موذن! یہ ہدیہ قبول فرما۔ ہم تیرے احسان سے عہدہ برا نہیں ہو سکتے تو ہمارا مددگار ہے کیونکہ تیرے طفیل لڑکی مشرف بہ اسلام ہونے سے رک گئی۔

آج کل مسلمان جو اپنا نمونہ دکھا رہے ہیں اس سے دوسری قوموں کو بجائے محبت کے نفرت ہوتی ہے۔

نادان شکاری

ایک شخص نے چڑیا پکڑنے کے لیے جال بچھایا اتفاق سے ایک چڑیا اس میں پھنس گئی اس شخص نے اس کو پکڑ لیا چڑیا نے اس شخص سے کہا، اے نیک انسان! تم نے کئی ہرن، بکرے اور مرغے وغیرہ کھائے ہیں ان چیزوں کے مقابلے میں میری کیا حقیقت ہے ذرا سا گوشت میرے جسم میں ہے اس سے تمہارا کیا بنے گا۔ تمہارا تو پیٹ بھی نہیں بھرے گا اگر تم مجھے آزاد کر دو تو میں تم کو تین بڑی ہی کام آنے والی نصیحت کروں گی۔ جن پر عمل کرنا تمہارے لیے بڑا مفید ثابت ہوگا۔ ان میں سے ایک نصیحت تو میں ابھی ہی کروں گی جبکہ دوسری نصیحت اس وقت کروں گی جب تم مجھے چھوڑ دو گے اور میں دیوار پر جا بیٹھوں گی اس کے بعد تیسری اور آخری نصیحت اس وقت کروں گی۔ جب دیوار سے اڑ کر سامنے درخت کی شاخ پر جا بیٹھوں گی۔ اس شخص کے دل میں تجسس پیدا ہوا کہ نہ جانے چڑیا کیا فائدہ من نصیحتیں کرے گی اس نے چڑیا کی بات مانتے ہوئے اس سے پوچھا کہ تم مجھے پہلی نصیحت کرو اس کے بعد پھر میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔ چنانچہ چڑیا نے کہا، میری پہلی نصیحت تو یہ ہے کہ جو بات کبھی نہ ہوسکتی ہو اس کا ہرگز یقین نہ کرو۔

یہ سن کر اس شخص نے چڑیا کو ہاتھ سے چھوڑ دیا اور چڑیا سامنے دیوار پر جا بیٹھی پھر بولی میری دوسری نصیحت یہ ہے کہ جو بات کرتے ہوئے کہا اے بھلے مانس! تم نے مجھے چھوڑ کر بہت بڑی غلطی کی کیونکہ میرے پیٹ میں پاؤ بھر کا انتہائی نایاب و قیمتی پتھر تھا اگر تم مجھے ذبح کرتے اور میرے پیٹ سے اس موتی کو نکال لیتے تو اس کے فروخت کرنے سے تمہیں اس قدر دولت حاصل ہوتی کہ تمہاری آنے والی کئی نسلوں کے لیے کافی ہوتی اور تم بہت بڑے رئیس ہو جاتے۔ اس شخص نے چڑیا کی جو یہ بات سنی تو لگا افسوس کرنے اور پچھتایا کہ اس نے چڑیا کو چھوڑ کر اپنی زندگی کی بہت بڑی غلطی کی اگر میں اس کو نہ چھوڑتا تو چڑیا کے پیٹ میں موجود بیش قیمت موتی کا

مالک ہوتا اور میری نسلیں سنور جاتیں۔

چڑیا نے جو اس کو اس طرح سوچ میں پڑے ہوئے دیکھا تو اڑ کر درخت کی شاخ پر جا بیٹھی اور بولی، اے بھلے مانس! ابھی میں نے تم کو پہلی نصیحت کی تھی۔ جسے تم بھول گئے ہو وہ نصیحت یہ تھی کہ جو بات نہ ہو سکنے والی ہو اس کا ہرگز یقین نہ کرو لیکن تم نے میری اس بات کا اعتبار کرلیا کہ میں چھٹانک بھر وزن رکھنے والی چڑیا اپنے پیٹ میں پاؤ وزن کا موتی رکھتی ہوں کیا یہ بابت ممکن ہو سکتی ہے؟

میں نے تم کو دوسری نصیحت یہ کی تھی کہ جو بھی بات ہو جائے اس کا غم نہ کرو۔ مگر تم نے دوسری نصیحت کا بھی کوئی اثر نہ لیا اور غم و افسوس میں مبتلا ہو گئے کہ خواہ مخواہ چڑیا کو ہاتھ سے جانے دیا۔ چڑیا بولی تمہیں کوئی بھی نصیحت کرنا بالکل بے کار ہے تم نے میری پہلی دو نصیحتوں پر کب عمل کیا ہے جو تیسری پر کرو گے تم اس قابل ہی نہیں ہو کہ تمہیں کوئی نصیحت کی جائے۔ یہ کہتے ہوئے چڑیا پھر سے اڑی اور ہوا میں پرواز کر گئی وہ شخص وہیں کھڑا چڑیا کی باتوں پر غور و فکر کرتے ہوئے سوچوں میں کھو گیا۔

میوہ کی چوری

لقمان حکیم عقل کے روشن اور رنگ کے سیاہ تھے۔ زمانہ کے دستور کے مطابق وہ ایک لڑائی میں گرفتار ہو کر غلام بن گئے۔ بکتے بکتے ایک تاجر کے پاس پہنچے۔ اسے معلوم نہ تھا کہ یہ لقمان ہیں۔ اس نے آپ کو مزدوری پر لگا دیا۔ وہ آپ سے گارا بنانے کا کام لیتا تھا۔ ایک دن تاجر نے اپنے سب غلاموں کو باغ میں میوہ چننے بھیجا۔ وہ سب میوہ چن کر کھا گئے۔ اور لقمان کا نام لے دیا۔ آقا بڑا غصے ہوا۔ لقمان نے کہا اگر مجھے پر الزام ثابت ہو تو بے شک میں قابل سزا ہوں چوری معلوم کرنے کی ایک تجویز میں بتا دیتا ہوں۔ اگر آپ اصل مجرموں کو پکڑنا چاہیں تو اس پر عمل کریں۔ تاجر نے پوچھا۔ کس طرح لقمان نے عرض کیا۔ آقا پانی میں لہسن کی پوتھی ڈال کر اسے ابال لیے اور وہ ابلا ہوا گرم پانی سب کو پلا کر حکم دیجئے کہ ایک گھنٹہ کھیت میں دوڑیں۔ اس طرح قے آئے گی اور جو کچھ کسی نے کھایا ہو گا ظاہر ہو جائے گا۔

آقا نے کہا یہ تجربہ تو آسان ہے فوراً اس نے لہسن منگایا اور اس کا ابلا ہوا پانی سب کو پلا کر دوڑایا۔ جب قے کرنے لگے تو سوائے لقمان کے سب کے پیٹ سے میوہ نکلا آقا نے سب غلاموں کو سزا دی اور لقمان سے معافی مانگتے ہوئے کہا کہ میں نے ناسمجھی سے جو آپ کو نہ پہچانا وہ میری خطا تھی۔ اللہ! اسے معاف کر دیجئے۔ آئندہ گھر کا سب انتظام آپ کے سپرد ہے۔ آپ سیاہ و سفید کے مالک ہیں جو چاہیں کریں میں کچھ دخل نہ دونگا۔

جس طرح لقمان کی حکمت سے چوری چھپے پیٹ میں ڈالا ہوا میوہ ظاہر ہو گیا۔ اسی طرح روز جزا سب کا حلال و حرام کمایا اور کمایا ظاہر ہو جائے گا۔ یہ خدائے عالم الغیب کی شان بتا رہی ہے کہ وہ ہمیں رسوا نہیں کرتا۔ ورنہ ہمارے سب افعال اس کی نظر میں ہیں۔

پردہ ضروری ہے

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے دولت کدہ پر ایک نابینا صحابی تشریف لائے جب وہ صحابی دروازے سے اندر داخل ہوئے تو حضرت عائشہ صدیقہؓ پردہ کرنے کے لیے اندر کی طرف بھاگیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا، اے عائشہؓ! تمہیں نابینا سے پردہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ تو تمہیں نہیں دیکھتا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ہاتھوں سے اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا وہ مجھے نہیں دیکھتا مگر میں تو اس کو دیکھتی ہوں اور غیر مرد پر میری نگاہ پڑنا آپ کی غیرت کے منافی ہے۔

حضرت عائشہؓ نے اپنے ہاتھوں سے اشارہ اس لیے کیا تاکہ آپ کی آواز غیر مرد نہ سن سکے۔

اس بات سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ ہر مسلمان عورت کے لیے غیر مرد سے پردہ کرنا فرض ہے۔

تلخی کی شکایت نہ کرو

لقمان کو گردش زمانے سے غلام بننا پڑا۔ مگر آقا آپ کی دانائی دیکھ کر آپ کا غلام بن گیا۔ کبھی کوئی چیز نہ کھاتا جب تک کہ آپ اسے نہ دیتے۔ پھر جب کھانے لگتا پہلے لقمان کو کھلاتا وہ فخر اکیا کرتا تھا کہ میں لقمان کا الش خورد (جھوٹا کھانے والا) ہوں۔ ایک دن کوئی شخص لقمان کے آقا کے پاس ایک خربوزہ بطور سوغات لایا۔ لقمان پاس نہ تھے۔ نوکر سے کہا کہ انہیں بلا لو۔ جب وہ آئے۔ آقا نے ایک قاش (پھانک) کاٹ کر انہیں دی۔ لقمان نے جو اس کے کھانے کی رغبت ظاہر کی۔ آقا نے خوشی سے سارا خربوزہ چیر کر اانہیں کھلا دیا۔ صرف آخری ایک قاش اپنے منہ میں ڈالی۔ مگر چکھتے ہی اسے اگل دیا۔ کیونکہ وہ بڑی تلخ اور تند تھی۔ اس سے اسکی زبان میں آبلہ پڑ گیا۔

آقا نے لقمان سے کہا کہ میں بڑا حیران ہوں کہ تم اتنا کڑوا زہر کھاتے رہے۔ اور نہ کہا یہ کھانے کے قابل نہیں میں نہیں کھاتا۔ لقمان بولے آقا! آپ مجھے خوشی سے کھلا رہے تھے مجھے شرم آئی کہ میں آپ کی مسرت کو روکوں۔ علاوہ ازیں میں نے آپ کے ہاتھ سے ہزارون نعمتیں لے کر ایسے کھائی ہیں۔ میں نے ایک تلخ چیز چکھ کر یہ کہنا مناسب نہ سمجھا کہ آقا میں اسے نہیں کھا سکتا۔ یہ کھانے کے لائق نہیں۔

انسان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہزاروں نعمتوں سے متمتع ہوتا ہے۔ اگر وہ کسی تلی کیشکایت کرے تو اس کے سر پر خاک۔

سلطان محمود غزنوی اور چور

سلطان محمود غزنوی اپنی رعایا کا بڑا خیال رکھا کرتا تھا اس کی عادت تھی کہ وہ راتوں کو بھیس بدل کر شہر کی گلیوں میں پھرتا رہتا اور جائزہ لیتا کہ رعایا کس حال میں ہے ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ سلطان اپنے معمول کے مطابق بھیس بدل شہر میں پھر رہا تھا کہ اسے ایک جگہ پر چند افراد اکٹھے جاتے ہوئے دکھائی دیے سلطان تیز تیز قدم اٹھتا ہوا ان کے نزدیک گیا تو اسے محسوس ہوا کہ یہ چور ہیں جو کسی جگہ پر چوری کرنے کی نیت سے جا رہے ہیں۔ سلطان محمود غزنوی کو اپنی طرف آ رہا ہے چونکہ انہوں نے سلطان کو بالکل نہیں پہچانا تھا اس لیے کہنے لگے، تم کون ہو؟ سلطان نے کہا میں بھی تمہاری طرح کا ایک آدمی ہوں۔

چوروں نے سمجھا کہ شاید یہ بھی ہماری طرح کا کوئی چور ہی ہے جو آدھی رات کے بعد چوری کی نیت سے نکلا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اطمینان کا سانس لیا۔

سلطان محمود غزنوی نے ان سے کہا اتنی رات گئے تم کس ارادے سے پھر رہے ہو؟ وہ کہنے لگے۔ اسی ارادے سے جس ارادے سے تم پھر رہے ہو یعنی چوری کی نیت سے۔ سلطان محمود غزنوی نے کہا، اگر چوری ہی کرنی ہے تو پھر کسی ایسی جگہ کرو جہاں سے اس قدر دولت تو ہاتھ لگ جائے جو ساری عمر کے لیے ہمیں کافی ہو اور پھر کبھی چوری کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے میرا مشورہ تو یہ ہے کہ شاہی محل کو لوٹتے ہیں جہاں سے ہمیں بہت بڑا خزانہ ہاتھ آ سکتا ہے۔

چوروں نے یہ سنا تو بڑے خوش ہوئے اور سلطان محمود غزنوی کی جرات بہادری پر عش عش کر اٹھے اور کہا واہ بھی واہ تم تو بڑے بہادر اور جراب مند چور ہو کیونکہ شاہی محل میں چوری کرنا بڑی ہمت اور حوصلے کا کام ہے اور تم اس بات کے کرنے میں ذرا بھی نہیں گھبرائے ہم تمہیں آج سے اپنا سردار مانتے ہیں تم جو حکم دو گے ہم اس کی اطاعت کریں گے۔ لیکن یہ جو کام تم نے شاہی محل والا بتایا ہے وہ بڑا مشکل

ہے سلطان محمود غزنوی نے کہا، میرے ہوتے ہوئے تمہیں ذرا بھی خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں میری موجودگی میں تم ہر مشکل کو آسان سمجھو اور بالکل نہ گھبراؤ۔ اب تیاری پکڑو کیونکہ شاہی خزانے پر آج ہی ہاتھ صاف کیا جائے گا۔ اس مقصد کے لیے پہلے ہم ایک منصوبہ بنا لیتے ہیں تاکہ آسانی رہے ہم میں سے ہر ایک اپنا اپنا کمال بیان کرے کہ وہ کس خصوصی صفت کا مالک ہے۔

ان سب نے باری باری اپنا اپنا کمال بتانا شروع کیا ایک چور نے کہا میں یہ کمال رکھتا ہوں کہ جس جگہ پر خزانہ رکھا گیا ہو مجھے اس جگہ کی مٹی سے خزانے کی خوشبو آتی ہے۔ دوسرا چور کہنے لگا، یہ کمال حاصل ہے کہ اگر سخت اندھیری رات میں بھی کسی کو ایک مرتبہ دیکھ لوں تو پھر اس کی شکل کبھی نہیں بھولتا اور دن کی روشنی میں بغیر کسی مشکل کے اسے شناخت کر لیتا ہوں۔ تیسرے چور نے کہا میں یہ خصوصی کمال رکھتا ہوں کہ مجھے کتے کی بولی آتی ہے۔ کتا جو کچھ کہہ رہا ہو مجھے سمجھ آ جاتی ہے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ چوتھا چور بولا، میں اس کام میں خصوصی کمال رکھتا ہوں کہ چاہے محل کی دیوار جتنی بھی بلند ہو اگر میں کمند پھینکوں تو وہ فوراً دیوار کے اوپر جا کر فٹ ہو جاتی ہے جس کے باعث ہم تمام آسانی کے ساتھ محل کے اندر پہنچ سکتے ہیں۔

جب چاروں چوروں نے اپنا اپنا کمال بیان کر دیا تو سلطان محمود غزنوی سے کہنے لگے، اے ہمارے سردار! ہم سب نے تو اپنا اپنا کمال بیان کر دیا ہے۔ اب تم بھی بتاؤ کہ تم کیا خصوصی کمال رکھتے ہو؟ سلطان محمود غزنوی نے کہا، جو میں کمال رکھتا ہوں وہ سب سے اعلیٰ ہے مجھ میں یہ خصوصیت ہے کہ اگر مجرم گرفتار ہوں اور ان کو موت کی سزا کا حکم ہو پھر جلاد ان کی گردنیں اتارنے کے لیے انہیں تختہ دار پر بھی لے آئے تو عین اس موقع پر اگر میں اپنی ڈاڑھی ہلا دوں تو سب مجرم اسی وقت قید سے چھوٹ جائیں اور ان کی جان بخشی ہو جائے سب چور یہ سن کر بڑے حیران ہوئے اور کہا واقعی یہ بہت بڑا کمال ہے اس کمال کے ہوتے ہوئے تو ہمیں ذرا بھی ڈر محسوس

نہیں کرنا چاہیے۔

اس کے بعد وہ سب شاہی محل کی طرف چوری کے ارادے سے چل پڑے ابھی تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ راستے میں ایک کتا ان کی طرف دیکھ کر بھونکا جو چور کتے کی زبان سمجھتا تھا سب چور اس سے پوچھنے لگے کہ بتاؤ یہ کتا کیا کہہ رہا ہے؟ وہ بولا ساتھیو! کتے نے جو کچھ کہا ہے اسے سن کر تو میں بڑا حیران ہو رہا ہوں اگر تم سنو تمہیں یقین ہی نہ آئے کہ واقعی کتا ٹھیک کہہ رہا ہے یا غلط۔ لیکن کتا جو کہہ رہا ہے میں حرف بحرف اسے سمجھ رہا ہوں باقی چوروں کو بھی تجسس ہوا اور کہنے لگے بتاؤ تو سہی کتا کہہ کیا رہا ہے؟ وہ بولا کتا یہ کہہ رہا ہے کہ ان پانچوں میں سے ایک بادشاہ ہے۔ وہ سب یہ سن کر ہنسنے لگے اور بولے، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم میں سے ایک بادشاہ ہے۔ وہ کہنے لگا، تم بے شک اس بات پر ہنسو لیکن میں ٹھیک کہتا ہوں کہ کتا یہی کہہ رہا ہے کہ ان پانچوں میں ایک بادشاہ بھی ہے ان سب چوروں نے اپنے دل کی تسلی دینے اور بات کو اپنے مطلب کے مطابق سمجھتے ہوئے کہا۔ ہو سکتا ہے کہ کتے کے کہنے کا مقصد یہ ہو کہ یہ پانچوں شاہی خزانے لوٹنے جا رہے ہیں۔ پانچوں بادشاہ ہوں گے۔ وہ کہنے لگا، تم کتے کی بات کا جو بھی مطلب سمجھو لیکن بخدا جو میں نے تمہیں بتایا ہے کتا وہی بات کہہ رہا ہے۔

یہی بات کرتے پانچوں شاہی محل کے پاس پہنچ گئے اور دیوار کے نزدیک کھڑے ہو کر کمند پھینکنے والے چور سے کہنے لگے کہ اب تم اپنا کمال دکھاؤ۔ اس چور نے ایک ہی بار میں جو کمند پھینکی تو وہ محل کی دیوار کے اوپر کنگرے سے لگ گئی اس کے بعد یہ سب باری باری دیوار پار کر گئے اور محل میں داخل ہو گئے اب اس چور کے کمال دکھانے کی باری تھی جو سونگھ کر چھپا ہوا خزانہ کی جگہ بتا دیتا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے خصوصی کمال سے کام لے کر جس قدر شاہی خزانہ چھپایا ہوا تھ۔ وہ سب بتا دیا اور ان سب نے مل کر وہاں سے خزانہ نکال لیا۔ اور جس راستے سے آئے تھے اسی

راستے سے خزانہ لے کر باہر نکل آئے ابھی صبح نہیں ہوئی تھی اور رات کا اندھیرا باقی تھا وہ فوراً شہر کی حدود سے باہر نکلے اور ایک جنگل میں بیٹھ کر خزانے کی تقسیم کا پروگرام بنانے لگے۔

سلطان محمود غزنوی نے ان سے کہا کہ چونکہ میں تمہارا سردار ہوں۔ اس لیے میرا حکم ماننا تم پر لازم ہے میرا مشورہ ہے کہ ہم اس وقت خزانے کو آپس میں تقسیم نہیں کرتے کیونکہ اگر ہم خزانہ تقسیم کر کے اپنا اپنا حصہ اپنے گھروں کو لے گئے اور چونکہ یہ چوری بادشاہ کے محل میں ہوئی ہے اس لیے جب بادشاہ کو اس چوری کے بارے میں علم ہوگا تو وہ پورے شہر میں اس طرح کا انتظام کرے گا کہ ہر ممکن طریقہ سے چور کر پکڑا جا سکے ہو سکتا ہے کہ وہ گھر گھر تلاشی کے لیے اپنے سپاہیوں کی ڈیوٹی لگا دے تاکہ جس گھر سے بھی خزانہ برآمد ہو چوروں کا پتہ چل جائے۔ اگر ہم خزانے کا حصہ اپنے اپنے گھروں میں لے گئے تو ہم فوراً پکڑے جائیں گے اس لیے کچھ دنوں کے لیے خزانے کی تقسیم کے کام کو ملتوی کر دیتے ہیں اور اس جنگل میں زمین کھود کر خزانہ یہاں پر دفن کر دیتے ہیں۔ بادشاہ کے کارندے جب خزانے کی تلاش میں ہر ممکن حربہ استعمال کرنے کے بعد مایوس ہو جائیں گے تو پھر ہم تسلی کے ساتھ یہاں آ کر خزانہ نکال لیں گے اور آپس میں تقسیم کر لیں گے۔ سلطان کی اس تجویز کو سب نے قبول کر لیا اور کہنے لگے کہ یہ بات ٹھیک ہے بڑی اچھی رائے ہے ہم سردار کے حکم کو دل و جان سے تسلیم کرتے ہیں۔

اس بات پر جب سب میں اتفاق رائے ہو گیا اور سب نے زمین کھود کر خزانہ دفن کر دیا اور اپنے اپنے گھروں کی طرف جانے لگے تو سلطان محمود غزنوی نے ان سے کہا کہ میں تم لوگوں میں نیا نیا شامل ہوا ہوں اور میں تمہارے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا کہ تم کون ہو اور کس جگہ پر رہتے ہو۔ چونکہ تم نے مجھے اپنا سردار تسلیم کیا ہوا ہے اس لیے تم سب مجھے اپنے گھروں کے ایڈریس بتا دو تاکہ مجھے پتہ چلے کہ تم

کہاں رہتے ہو۔ چنانچہ چاروں چوروں نے اپنے گھر کے پتے سلطان کو بتا دیے اس کے بعد سب اپنے اپنے گھروں کی طرف چل دیے اور سلطان محمود غزنوی واپس محل میں آ گیا۔ جب صبح کا سورج طلوع ہوا تو یکدم شاہی محل کے ایک کونے سے سرکاری کارندوں کا شور بلند ہوا کہ شاہی خزانہ کوئی لوٹ کر لے گیا ہے فوری طور پر پولیس کے سپاہی چوروں کی تلاش میں شہر کی طرف بھاگے۔

سلطان محمود غزنوی نے پولیس کے سربراہ کو ان چاروں چوروں کے نام اور ایڈریس بتائے اور حکم دیا کہ ان چاروں کو گرفتار کر لیا جائے کیونکہ شاہی خزانے کی چوری انہوں نے ہی کی ہے چنانچہ بادشاہ کے سپاہی کوئی لمحہ ضائع کیے بغیر چوروں کو گرفتار کر کے لے آئے وہ چاروں چور اپنے پکڑے جانے پر سخت حیرت زدہ تھے کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے؟ وہ سوچ رہے تھے کہ اتنی جلدی شاہی سپاہیوں نے ان کو پکڑ کیسے لیا کون ہے کہ جس نے ہماری مخبری کی ہے اس کے ساتھ ہی انہیں یہ خیال بھی آیا کہ ہم چاروں کو تو گرفتار کر لیا گیا ہے مگر ہمارا سردار نہیں پکڑا گیا اس کی کیا وجہ ہے ؟ اسی سوچ بچار کے عالم میں ان چاروں کو عدالت میں پیش کر دیا گیا اور قاضی نے شاہی خزانے کی چوری کے جرم میں ان کو موت کی سزا کا حکم سنا دیا۔ یہ حکم سن کر تو ان کے اوسان خطا ہو گئے اور آپس میں کہنے لگے کہ اگر اس وقت ہمارا سردار ہوتا تو اپنا کمال دکھاتا لیکن افسوس کہ وہ ہمارے ساتھ پکڑا نہیں گیا اب تو وہ خود ہی اکیلا خزانے پر قبضہ جما لے گا۔ جب ان چوروں کو جلاد تختہ دار کی طرف لے جا رہا تھا تو عین اس وقت سلطان محمود غزنوی کا حکم ملا کہ شاہی خزانے کی چوری کے مجرموں کو اس کے سامنے پیش کیا جائے تا کہ اگر یہ کوئی اپنی آخری خواہش رکھتے ہوں تو مرنے سے پہلے وہ پوری کی جا سکے۔

سلطان کے حکم کے مطابق چاروں چوروں کو سلطان کے حضور پیش کر دیا گیا۔ چاروں چور نظریں جھکائے شاہی دربار میں کھڑے تھے اور سلطان محمود غزنوی شاہی

لباس زیب تن کیے شان وشوکت کے ساتھ تخت پر جلسہ افروز تھا اچانک اس چور کی نظر سلطان پر پڑی جو اندھیری رات میں ایک بار کی دیکھی ہوئی شکل کبھی بھولتا تھا اور دن میں شناخت کرنا اس کے لیے بالکل دشوار نہ ہوتا تھا اس نے پہچان لیا کہ تخت پر جو شخصیت جلوہ افروز ہے وہی رات کے وقت ہمارا ساتھی تھا۔ اس نے آہستہ سے اپنے ساتھی چور کے کان میں کہا۔

اے دوست! رات کو کتے کی کہی ہوئی بات کی سمجھ اب آئی ہے کتا ٹھیک ہی کہہ رہا تھا کہ ان پانچوں میں ایک بادشاہ ہے یہ جو تخت پر بیٹھا ہے رات کو یہی ہمارا پانچواں ساتھی تھا۔ دوسرا چور اس کی بات سن کر کہنے لگا، ارے احمق! کیا بکواس کرتے ہو رات کو تم نے ایک کتے کی بات کا یقین کر کے چور کو بادشاہ بنا دیا اور اب تم بادشاہ کو چور کہہ رہے ہو لگتا ہے تمہاری عقل ماری گئی ہے تم اپنے ہوش میں نہیں۔

سلطان ان کی آپس میں کھسر پھسر سن رہا تھا بولا، یہ تم لوگوں نے کیا کھسر پھسر لگا رکھی ہے۔ جس چور نے بادشاہ کو پہچان لیا تھا وہ فوراً چند قدم آگے بڑھا اور اپنے ہاتھ باندھ کر کہنے لگا، اے ہمارے سردار! ہم سب نے تو اپنا اپنا کمال دکھا دیا۔ اب تم اپنی داڑھی کب ہلاؤ گے اس وقت ہلاؤ گے جب ہم موت کے منہ میں چلے جائیں گے؟

سلطان اس چور کی یہ بات سن کر ہنس پڑا اور کہا، واہ بھئی واہ، تم نے مجھے پہچان لیا اور اپنا کمال دکھا دیا لو پھر اب اپنا کمال دکھاتا ہوں اور اپنی داڑھی کو ہلاتا ہوں جاؤ تم سب آزاد ہو۔ چوروں نے جو اپنی رہائی کا حکم سنا تو بڑے متاثر ہوئے اور اسی وقت سلطان کے قدموں میں گر کر معافی کے خواستگار ہوئے اور آئندہ کے لیے چوری کے کاموں سے توبہ کی اور ہمیشہ کے لیے نیکی کا راستہ اختیار کرنے کا وعدہ کر کے شاہی دربار سے رخصت ہوئے۔

نظر کا قصور

ایک استاد کا شاگرد بھینگا تھا ایک مرتبہ کا زکر ہے کہ استاد نے اپنے شاگرد سے کہا کوئی فورا میرے گھر جاؤ اور گھر کے فلاں طاق میں شیشہ پڑا ہوا ہے اس کو لیکر جلدی سے آ جاؤ۔ بھینگا شاگرد استاد کے گھر گیا اس نے جب طاق میں دیکھا تو اپنے بھینگے پن کی وجہ سے ایک کی بجائے دو شیشے دکھائی دے وہ فورا وہاں سے پلٹا اور استاد کے پاس آیا اور کہنے لگا، استاد محترم! طاق میں تو دو شیشے پڑے ہوئے ہیں ان میں سے کون سا شیشہ لے کر آؤں۔ استاد نے حیرت سے کہا، ارے کم بخت! دو شیشے کیسے وہاں پر تو ایک ہی شیشہ پڑا ہوا ہے۔ شاگرد نے قسم کھاتے ہوئے کہا۔ استاد جی! میں نے خود وہاں دو ہی شیشے دیکھے ہیں استاد کہنے لگا، اچھا اگر یہ بات ہے تو پھر ان دو شیشوں میں سے ایک شیشہ توڑ دو اور دوسرا میرے پاس لے آؤ۔

شاگرد دوبارہ استاد کے گھر گیا اور پتھر اٹھا کر زور سے شیشے پر مارا شیشہ چکنا چور ہو گیا جب وہ شیشہ ٹوٹ گیا تو اس نے دیکھا کہ شیشے تو دونوں ٹوٹ گئے ہیں بڑا حیران ہوا کہ یہ ماجرا کیا ہے؟ وہیں پلٹا اور واپس استاد کے پاس آیا او کہنے لگا، استاد جی! میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ شیشہ تو میں نے ایک ہی توڑا مگر دوسرا شیشہ کیسے ٹوٹ گیا۔ استاد نے کہا، اے نالائق احمق! اس میں تمہاری نظر کا قصور ہے شیشہ تو ایک ہی تھا لیکن تمہاری ٹیڑھی نظر سے وہ ایک کی بجائے دو دکھائی دے رہے تھے

رہبر

ایک اونٹ جنگل میں چلا جاتا تھا۔ اس کی مہار زمین پر گھستی چلی جارہی تھی۔ ایک چوہے نے اسے دیکھا نے اسے دیکھا۔ تو دل میں کہا کہ اس کو یوں کھلا چھوڑنا ٹھیک نہیں ہے۔ اس کی مہار تھام لینا چاہیے۔ تاکہ یہ شتر بے مہار نہ کہلائے۔ پس اس نے دوڑ کر اس کی مہار منہ میں لے لی اور آگے آگے روانہ ہو پڑا۔ اونٹ نے بھی اس مذاق کیا اور راور پیچھے پیچھے بے تکلف ہو لاے۔

اونٹ نے تجاہل عارفانہ سے پوچھا۔ اے میرے رہبر تو اس قدر ڈر کیوں گیا۔ چوہے نے شرمندگی سے کہا۔ بھائی یہ پانی دیکھ کر میرا دال دہ گیا ہے۔ اونٹ نے کہا۔ تو نہ ڈر میں ابھی دیکھر کر بتاتا ہوں کہ پانی ہے۔ اونٹ دریا میں چلا گیا۔ اور بولا چوہے آجا پانی تھوڑا ہے۔ دیکھ لے میرے زانو تک نہیں ڈوبے تو کیسے ڈوب سکتا ہے چوہے نے کہا واہ بھائی تم مجھے غرق کرنا چاہتے ہو۔ جو پانی تیرے زانو تک گہرا ہے وہ میرے سر سے سو گز اونچا پہنچے گا۔

اونٹ نے طنز سے کہا چوہے واہ اسی برتے پر تم میرے پیشوا بنے تھے۔ آئندہ دعوی ہمسری اپنے جیسے چوہوں سے کرنا کسی اونٹ کے منہ سے لگنا۔ چوہے نے کہا میری توبہ۔ آئندہ ایسی جرات نہیں کرونگا۔ اب خدا کے لیے مجھے پار اتار دے۔ اونٹ کو رحم آ گیا۔ بولا کہ آ میری پیٹھ پر بیٹھ جا تیرے جیسے لاکھوں چوہوں کو پار اتار سکتا ہوں۔

مولانا روم فرماتے ہیں کہ جب تم بادشاہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے تو رعیت بن کر گزارہ کرو اور خدمت گزاری سے عزت حاصل کرو۔

تیرا اللہ اللہ کہنا

ایک شخص ہر روز رات کی تنہائی میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرتا تھا۔ اس کام میں اس نے کبھی ناغہ نہ کیا تھا ایک دن کا ذکر ہے کہ شیطان لعین نے اس کے دل میں وسوسہ کیا کہ اے شخص! تو ہر روز رات کو اللہ اللہ کرتا ہے اور ایک مدت گزر گئی ہے اس کام کو کرتے ہوئے لیکن کبھی ایک بار بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے جواب میں لبیک ہوئی ہے۔ تو کسی عاجزی اور انکساری سے اللہ اللہ کی ضربیں لگاتا ہے لیکن بارگاہ خداوندی سے تجھے ایک بھی جواب نہیں آیا۔

اس شخص کے دل میں یہ خیال آنا تھا کہ وہ پریشان ہو گیا اور شکستہ خاطر ہو کر لیٹ گیا خواب میں اسے حضرت خضرؑ کی زیارت ہوئی آپ نے اس سے پوچھا، اے اللہ کے بندے! تو اللہ کے ذکر سے رک کیوں گیا ہے؟ کہنے لگا، میں تو ہر روز اللہ اللہ کرتا تھا لیکن جواب میں میرے پاس لبیک نہیں آیا۔ چنانچہ میں اس بات سے ڈر گیا کہ شاید میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مردود ہوں۔ یہ سن حضرت خضرؑ نے فرمایا اے شخص! اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کہ جاؤ میرے اس بندے سے کہہ دو کہ وہ تیرا اللہ اللہ کہنا میرے ہی کرم کی وجہ سے ہے کیا میں نے تجھے اپنے کام میں نہیں لگا رکھا ہے اس شخص نے یہ خواب دیکھا تو ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور فوراً صدق دل سے تائب ہوا اور پھر دوبارہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہو گیا۔

بیل اور دنبہ

ایک اونٹ بیل اور دنبہ اکٹھے جارہے تھے کہ انہیں راہ میں گھاس کا ایک پولا پڑا دکھائی دیا۔ ہر ایک یہی چاہتا تھا کہ اسے چٹ کر جائے۔ مگر ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے دنبے نے کہا کہ بھائیو! اب زمانہ برا آ گیا ہے کہ جہاں خطرے کا مقام ہو وہاں بڑوں کو آگے کر دیتے ہیں اور جہاں آرام ملتا ہو۔ وہاں خود آگے ہو جاتے ہیں مگر رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔ کہ بزرگوں کو مقدم رکھنا چاہیے پس ہم میں سے جو عمر میں بڑا ہو وہ یہ گھاس نوش جاں کرے۔ یہ شرط پیش کر کے دنبہ بولا بھائیو! میں اپنی عمر کے متعلق کیا بتاؤں مجھے صرف اس قدر یاد ہے کہ میں اس دنبے کے ساتھ چرا کرتا تھا۔ جو حضرت اسمٰعیلؑ پر قربان ہوا تھا۔

بیل نے کہا میں تم سے بھی بڑا ہوں۔ ارے میں تو اس بیل کا جوڑی دار ہوں۔ جو حضرت آدمؑ کا ہل کھینچا کرتا تھا۔ اونٹ نے جب سے سنا تو اس کا سر جھکا کر گھاس کا پولا منہ میں لے لیا۔ اور چٹ کر گیا اور بولا اتنے بڑے جسم اور بڑی گردن والے کو تاریخ بتانے کی حاجت نہیں۔ جس سے چاہو پوچھ لو کہ میں تم سے چھوٹا نہیین ہر عقلمند یہی کہے گا۔ کہ میں ہر حیثیت میں تم سے بڑا ہوں۔

سزا

ایک درویش جنگل میں رہ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے اس جنگل میں بے شمار درخت پھلوں سے لدے ہوئے تھے۔ امرود، سیب اور انار جیسے شیریں پھل اس درویش کی غذا تھے پھلوں کے علاوہ وہ اور کچھ بھی نہ کھاتا تھا۔ ایک دن اس درویش نے ترنگ میں آکر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس بات کا عہد کیا، اے اللہ! میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ میں ان درختوں سے کبھی وقت پھل نہ توڑوں گا اور نہ کسی دوسرے سے کہوں گا کہ تو ان کو توڑ دے میں اس پھل کے علاوہ جس کو ہوا گرا دے، کبھی کھڑے درخت سے پھل نہ توڑوں گا ایک مدت تک وہ درویش اپنے عہد پر قائم رہا یہاں تک کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش کی گھڑی آ گئی اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا نے پانچ دن تک زمین پر کوئی پھل نہ گرایا پانچ دن تک بھوکا رہنے سے درویش میں صبر کی طاقت نہ رہی اس نے درخت کی ایک شاخ پر کئی امرود لگے دیکھے لیکن صبر کرتا رہا اور اپنے آپ کو روکے رکھا۔ آ کر بھوک اور کمزوری نے درویش پر غلبہ کیا۔ درویش نے شاخ کو نیچے جھکایا اور اپنے عہد کو توڑتے ہوئے امرود کے درخت سے پھل توڑ لیا۔

جیسے ہی درویش نے درخت سے پھل توڑا امتحان میں فیل ہو گیا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس سے اس کو فوراً سزا دی گئی وہ اس طرح کہ اتفاق سے اس دن چوروں کے ایک گروہ نے بے شمار سونا اور چاندی لوٹ کر جنگل کا رخ کیا اور جس جگہ پر درویش کا ٹھکانا تھا اس کے نزدیک ہی بیٹھ کر آپس میں چوری کا مال بانٹنے لگے اس اثناء میں کسی نے کوتوال کو مخبری کر دی کوتوال کے آدمی جلدی سے وہاں پر پہنچے چوروں نے جب کوتوال کے آدمیوں کو دیکھا تو ادھر ادھر بھاگ دوڑ کرنے لگے مگر جلدی ہی پکڑے گئے چوروں کے ساتھ کوتوال کے آدمیوں نے اس درویش کو بھی چوروں کا ساتھی سمجھ کر دھر لیا اور گرفتار کر کے کوتوال کے پاس پیش کر دیا کہ کوتوال نے سب

کے ہاتھ کاٹ دینے کا حکم دے دیا جلاد نے سب کے ہاتھ کاٹ دیے اور اس کے ساتھ ہی اس درویش کے ہاتھ کو بھی کاٹ دیا۔ اچانک وہاں پر ایک گھڑسوار آیا اور اس نے جلاد کو تھپڑ رسید کرتے ہوئے کہا کہ یہ بزرگ تو اللہ تعالیٰ کے ابدال میں سے ہے تم نے اس کا ہاتھ کیاں کاٹ دیا؟ جلاد فوراً وہاں سے بھاگا اور جا کر کوتوال کو مطلع کیا کوتوال ننگے پاؤں دوڑتا ہوا آیا اور درویش سے معافی مانگنے لگا، کہا اے بزرگوار! خدا گواہ ہے کہ مجھے علم نہ تھا انجانے میں مجھ سے جو غلطی ہوگئی ہے اس کی مجھے معافی دے دیں۔

درویش نے کوتوال کی طرف دیکھا اور کہا، میں اپنا ہاتھ کٹنے کا اصل سبب جانتا ہوں مجھے پتہ ہے میں نے گناہ کیا ہے اور جس کی مجھے سزا ملی ہے میں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا ہوا عہد توڑا اور اس کی سزا پائی تمہارا اس میں کوئی قصور نہیں میں نے تجھے معاف کیا۔ یہ کہہ کر درویش جنگل کی طرف چلا گیا اور اللہ تعالیٰ سے عہد کے توڑنے کی معافی مانگی۔

اس حکایت سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی ایسا عہد نہیں کرنا چاہیے جس کو پورا نہ کر سکے اور اگر کبھی ایسا عہد کرے تو ہر وقت اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا رہے کہ وہ اس عہد پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمائے

احتیاط کی ضرورت

اس زمانے میں تو تجربے سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ جس قدر دیہاتی مہمان نواز ہوتے ہیں شہری نہیں ہوتے ۔ مگر مولانا رومی رحمتہ اللہ تعالی نے مثنوی میں جو ایک شہری خواجہ اور دہقان کی حکایت بیان کی ہے وہ آج کل کے تجربے کے بالکل برعکس ہے ۔ دوسروں کی مثال کیوں دوں ۔ میرا بڑا بیٹا محمد افضل گاؤں (رتہ پیراں) میں رہتا ہے ۔ اور میں شہر لاہور میں پلا اور بوڑھا ہوا ہوں ۔ اس کا اصول اپنا ہے اور میں ''خرچ باندازِ دخل باید کرد'' کے مقولہ پر کاربند ہوں اس کی والدہ بھی دیہاتی مہمان نوازوں کی خوگر ہے اور میرے ساتھ 45 سال متواتر رہنے کے باوجود شہری ماحول سے متاثر نہیں ہوتی اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ دہقاں اسلوب حکایت پیش نظر سے کتنا مختلف ہے ۔ بہر حال حکایت بری دلچسپ ہے ۔

ایک زمیندار کاروبار کے لیے شہر آیا جایا کرتا تھا ۔ اس نے ایک شہری خواجہ سے دوستی پیدا کر لی ۔ جب وہ شہر میں آتا تو خواجہ ہی کے ہاں فروکش ہوتا ۔ اور دو دو تین تین مہینے ڈیرہ ڈالے رکھتا اور خواجہ ہی اس کے خورد ونوش اور اقامت کا متکفل ہوتا ۔ وہ جب کبھی آتا خواجہ سے تقاضا کرتا کہ ہمارے گاؤں بھی تشریف لائیے اور دیہاتی زندگی سے لطف اٹھائیے ۔

خواجہ صاحب نے اپنی مجبوری کا عصذر کرتے ہوئے لیت ولعل میں آٹھ سال گذار دیے ۔ نویں سال اس نے پھر تقاضا کیا خواجہ نے پھر بھی ٹال دیا ۔ دسویں برس دہقان تین مہینے مہمان رہا ۔ اور کہا کہ آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں میں آپ کے احسانات مہمان نوازی کے نیچے دب گیا ہوں ۔ گاؤں تشریف لائیں ۔ اور مجھے بھی خدمت کا موقع دیں ۔

خواجہ کے فرزندوں نے کہا کہ آپ مہمان کی دعوت کو کیں قبول نہیں کرتے ۔ سفر سے کیوں گھبراتے ہیں ۔ وہ ہمیں تلقین کر گیا ہے اور حق میزبانی ادا کرنا چاہتا ہے ۔

خواجہ نے کہا ٹھیک کہتے ہو مگر حد سے زیادہ دوستی کا نتیجہ دشمنی ہوتا ہے۔ہمیں گاؤں پہنچنے کے لئے صحرا میں سے گزرنا ہوگا۔ جہاں بڑے خطرات ہیں۔اس میں پھونک پھونک کر قدم رکھنا اور اندھوں کی طرح ٹٹول کر چلنا چاہیے۔

خواجہ کے فرزندوں نے برادران یوسفؑ کی طرح کہا کہ ہم جنگل میں سیر کرتے اور کھیلتے کودتے چلیں گے۔مگر نہ جانا کہ یہ بازی نہیں بلکہ جان بازی ہے اور یوسفؑ کی طرح جدا اور گرفتار بلا ہونا ہے۔زر کے لالچ میں جاں مصیبت میں ڈالنا نہیں چاہیے۔دیکھو! اللہ تعالیٰ نے سورہ جمعہ میں مسلمانوں کو جو گندم بکنے کی منادی سن کر مسجد سے چلے گئے تھے کیسی تنبیہہ کی ہے۔تمہیں اس مرغابی جتنی بھی عقل نہیں جسے باز یہ کہہ کر پانی سے نکالنا اور شکار کرنا چاہتا تھا کہ نکل کر کھیتوں میں چرو۔وہ ان دنوں قندریز بنے ہوئے ہیں۔مگر عقلمند مرغابی نے جواب دیا تھا۔ہم تمہاری دعوت کو رد کرتے ہیں وہ قندستان تمہیں مبارک ہمیں پانی کا حصار کافی ہے خواجہ نے اس قسم کے بہت حیلے کئے مگر تقدیر کسی تدبیر سے نہیں ٹل سکتی۔

خواجہ کے تمام حیلے بے کار گئے اور سفر کرنے اور گرفتار اختیار مصیبت ہونے پر مجبور ہوگیا۔چنانچہ۔اس نے سامان سفر تیار کیا اور چارپائیوں پر لاد کر زن و فرزند سمیت روانہ ہو پڑا۔وہ بڑی خوشی سے گھر سے نکلے انہیں امید تھی کہ ہمیں دعوت دینے والا زمین و باغ کا مالک ہے اس سے ہمیں موسم سرما کے لئے غلہ ملے گا بلکہ وہ اپنا باغ ہماری نذر کردے گا۔وہ ہمیں اپنی جان سے عزیز رکھے گا۔مگر خواجہ کو دانا ؤں کا یہ قول یاد نہ رہا کہ۔

''گاؤں میں نہ جا وہاں تو احمق ہو جائے گا۔اور تیری عقل کا نور اور رونق جاتی رہے گی'' خواجہ سمجھتا ہے کہ رزق گاؤں سے میسر ہوتا ہے۔نہیں بلکہ روزی وہ (رازق) دیتا ہے مولانا قول پیغمبر علیہ ﷺ نقل کرتے ہیں کہ عقل کا اندھا ہی گاؤں کو وطن بتاتا ہے جو کوئی ایک دن گاؤں میں رہ جائے اس کی ایک مہینہ عقل ماری رہتی

ہے۔اور جو مہینہ بھر رہے تو سمجھو ایک مدت کے لیے جہالت کے اندھیرے میں چلا گیا۔

الغرض خواجہ نے اہل بیت سمیت خوشی خوشی جنگل کا رخ کیا۔انہوں نے سمجھا کہ سفر سے بادشاہی ملتی ہے۔ ہلال سفر ہی سے بدر بنتا ہے۔حضرت یوسفؑ کو بھی گھر سے نکل کر بادشاہی ملی اسی امید میں انہوں نے سورج کی گرمی سہی اور رات کو اختر شماری کی راہ سفر کی سختی گاؤں جانے کی خوشی میں انہیں بہشت معلوم ہوئی اہل دنیا کا قاعدہ ہی یہی ہے کہ وہ مقصود حاصل ہونے کی امید میں طرح طرح کی تکلیفیں اٹھاتے ہیں۔خواجہ اور اس کے اہل وعیال کا بھی یہی خیال تھا۔کہ گاؤں پہنچ کر ہمیں عیش وآرام مل جائے گا۔اس لئے وہ ہنستے اور کھیلتے چلے جاتے تھے۔جب انہیں کوئی پرندہ گاؤں کی طرف اڑتا دکھائی دیتا تو انکے صبر کا جامہ چاک ہو جاتا۔اس طرف سے جو ہوا آتی وہ اس زندگی کا تازہ پیغام سمجھتے جو کوئی اسے موضع سے آتا وہ مجنوں بن کر لیلیٰ کے کتے کی طرح شروع کر دیتے اس کے منہ کو چومنے لگتے مجنوں نے جو سنگ بوسی پر اعتراض کرنے والے کو جواب دیا تھا وہ مولانا رحمتہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ میں سننے کے لائق ہے۔

مجنوں نے معترض کو جواب دیا کہ تو جسم بے روح ہے اس کتے کو میری آنکھوں سے دیکھ۔ارے یہ لیلیٰ کی گلی کا وفادار کتا ہے اس کی ہمت دل و جان اور شناخت کی داد دو کہ اس نے کس جگہ کو منتخب کیا ہے۔یہ فرخندہ رو کتا میرا یار ہی نہیں بلکہ ہمدرد و غمگسار ہے اجی وہ کتا جو مقیم کوچہ لیلیٰ ہو اس کے پاؤں کی خاک بڑے بڑے شہروں سے زیادہ قیمتی ہے۔

مولانا رحمتہ اللہ تعالیٰ یہ قصد مجنوں بیان کر کے فرماتے ہیں کہ خواجہ اس گاؤں کی طرف اس طرح جا رہا تھا۔جس طرح ایک حریص جانور دانہ کو بادام سمجھ کر جال کی طرف آنکھیں بند کر کے لپکتا ہے اور گرفتار دام ہو جاتا ہے۔جو گاؤں انہیں نظر آتا

وہ اسے منزل مقصود سمجھ لیتے۔ مہینہ بھر ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں مارے مارے پھرتے رہے کیونکہ انہیں پتہ ٹھیک معلوم نہ تھا۔ جو شخص استاد کے بغیر کوئی پیشہ اختیار کرلیتا ہے وہ شہر اور گاؤں والوں کو مضحکہ بن جاتا ہے۔ جو رہبر کے بغیر ہی مکہ معظمہ کی طرف چل کھڑا ہو۔ وہ بھی آوارہ لوگوں کیطرح خوار و رسوا ہوتا ہے۔

الغرض ان لوگوں نے دربدر پھرنے میں ایسی تکلیف اٹھائی جیسی مرغی خاکی پانی میں پڑ کر اٹھاتی ہے۔ مہینے کے بعد جب اس گاؤں میں پہنچے تو ان کا آپ و دانہ اور جانوروں کا چارہ ختم ہو چکا تھا۔ جب اس دہقان کو ان کے آنے کی خبر ہوئی تو وہ روپوش ہوگیا۔ جب ان مسافروں کو گھر کا پتہ چل گیا تو وہ اسے اپنا گھر سمجھ کر اس کی طرف لپکے مگر دروازہ بند پایا۔ اس پر خواجہ حیران ہوا۔ مگر درشتی کا موقع نہ تھا۔ کیونکہ جب کنوئیں میں گر پڑیں تو وہاں تیزی کام نہیں آتی۔ پس وہ پانچ دن دروازہ کے باہر پڑے رہے۔ دن کی دھوپ ستاتی تھی اور رات کو سردی مگر وہ مجبور تھے اور کہاں جاتے۔ جب بڑوں سے پالا آپڑے تو نیکوں کو اضطرار" گزر راہ کرنا پڑتا ہے۔ شیر بھوکوں مرنے لگتا ہے تو مردار کھانے پر مجبور ہوتا ہے۔

ایک دن وہ دہقان نظر پڑ گیا خواجہ نے کہا اسلام علیکم جناب میں فلاں شخص ہوں۔ جسے آپ نے سال ہا سال سے دعوت دے کر گاؤں آنے پر مجبور کیا۔

دہقان نے جواب دے کہ میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو؟ میرے دوست ہو نیک ہو۔ یا برے ہو میں تو رات دن اللہ تعالیٰ کی قدرت کا گرویدہ ہوں۔ مجھے تمہاری کچھ پروہ نہیں۔ مجھے تو اپنے وجود کی بھی خبر نہیں اور یہ بھی پتہ نہیں کہ میری ہستی کیا ہے۔ خدا کے سوا مجھے کسی بات کا ہوش نہیں۔ اور یہ بھی پتہ نہیں کہ میری ہستی کیا ہے۔ خدا کے سوا مجھے کسی بات کا ہوش نہیں۔ میرے دل و جان میں اللہ ہی اللہ ہے۔ خواجہ نے یہ سن کر اسے جتایا کہ میں وہ ہوں جس کے دستر خوان پر تم سالہا سال نعمتیں کھاتے رہے ہو اور میرے مال سے سامان خرید کر لاتے رہے ہو۔ شہر کی خلقت اس بات کی

گواہ ہے۔ جس کے ہاں سے جو شخص پیٹ بھرے اس کی آنکھ شرماتی ہے۔ اور سر نیچا ہو جاتا ہے۔ دہقان نے جواب دیا تو کیا بک رہا ہے نہ میں تیرا نام جانوں نہ تجھے اور تیری جگہ پہچانوں۔

اس طرح باہر پڑے ہوئے خواجہ پر پانچویں رات برق و باراں لے کر آ پڑی۔ مجبوراً اس نے کنڈی کھٹ کھٹائی اور بڑی آہ زاری سے دہقان کو بلایا۔ اس نے آ کر پوچھا۔ کیا بات ہے؟ عرض کیں میں نے تمام حقوق اور احسان ترک کیے۔ اب تو ہمیں مسکین مسافر سمجھ کر رحم کرو۔ پانچ دن میں جو ہمیں تکلیف اٹھانی پڑی ہے۔ وہ پانچ سالہ مشقت کے برابر ہے ہم ایسی سختی کے عادی نہ تھے۔ ہمیں خدا کے لئے اس رنج سے بچاؤ اور کوئی ٹھکانہ بتاؤ۔ دہقان نے کہا تمہیں باغ میں ایک کٹیا سی دی جا سکتی ہے۔ مگر اس شرط پر کہ تیر و کمان لو آپ پہرہ دو تا کہ بھیڑیا آ کر نقصان نہ کرے۔

خواجہ نے اس شرط کو قبول کر لیا اور باغ میں جا ٹکے وہ جگہ بری تنگ اور مچھروں اور پسوؤں کا گھر تھی۔ خواجہ کو اس خوف سے کہ کہیں بھیڑیا گھس کر نقصان نہ کر جائے اور دہقان جان کھائے ان چھوٹی چھوٹی بلاؤں کو دور کرنے کا بھی یارا نہ تھا۔ آدھی رات گزرنے پر خواجہ نے محسوس کیا کہ بھیڑیا آ گھسا۔ چنانچہ تیر کمان میں جوڑ کر اس نے جو چھوڑا۔ وہ ٹھیک نشانے پر بیٹھا اور حیوان زخمی ہو کر گر پڑا۔ اس افتاد سے حیوان کی آواز خارج ہوئی۔ جس کو سن کر دہقان نے ہائے کی اور ہاتھ پر ہاتھ مار کر کہا اے نوجوان مرد! تو نے میرا گدھا مار ڈالا۔ خواجہ نے کہا۔ نہیں میں نے ظالم گرگ مارا ہے نہ کہ تیرا گدھا۔ دہقان نے کہا مجھے اپنے گدھے کی آواز کی ایسی ہی شناخت ہے جیسی شراب اور پانی کی۔ خواجہ نے جواب دیا کہ اندھیری رات میں جبکہ مینہ برس رہا ہو اور سیاہ بادل چھائے ہوں کیا پہچان ہو سکتی ہے۔ دہقان نے کہا خواہ کیسی ہی زور کی آواز چل رہی ہو۔ میں اپنے گدھے کی آواز پہچان لیتا ہوں۔ یہ سن کر خواجہ نے

اسے گریبان سے پکڑلیا۔اور کہا۔اے بے حیاتو نے اتنی تاریکی میں اپنے گدھے کی آواز تو بھانپ لی اور دس سال کے رفیق کو نہ پہچان سکا۔میری مروت اور احسان کو خاک میں ملا دیا۔اور بہانہ یہ کیا میں فنافی اللہ ہوں مجھے دنیا و مافیہا کی خبر نہیں۔اگر کارزار کا امتحان نہ پیش ہوتا تو ہر نامرد رستم بن جاتا۔تو نے دعوی تو یہ کیا کہ میں منصور حلاج ہوں مگر اپنے دوستوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ظاہر تو اپنی محویت اتنی کرنا کہ فاروق اعظمؓ اور ابولہب میں تمیز کرنے کا ہوش نہیں مگر آدھی رات کی تاریکی میں آواز خر کی شناخت کر لینا۔تو نے اپنے آپ کو عاشق الٰی ظاہر کی مگر شیطان سے یارانہ گانٹھا۔ارے داؤد کے ہاتھ میں تو لوہا موم ہو جاتا ہے۔تو موم کو لوہا کر دیتا ہے۔یہ کج روی چھوڑ دے اور دونوں جہاں میں رسوا نہ ہو۔

اس لمبی حکایت سے نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ دنیا میں لوگ بڑے دھوکے باز اور جعلساز ہیں۔دانا انسان کو کسی اعتبار کرنے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

آزادی کی نعمت

ایک شکاری نے ایک ہرن کو قیدی بنالیا اور اس کو گدھوں کے اسطبل میں بند کر دیا ہرن چونکہ آزادی کا مزہ چکھے ہوا تھا اور جنگل میں آزادانہ گھومنے پھرنے کا عادی تھا اس لیے اسے اس قید سے بڑی پریشانی ہوئی وہاں اصطبل میں وحشت زدہ ہو کر ادھر ادھر بھاگتا مگر رہائی کے لیے کوئی راستہ نہ نظر آتا تھا۔اس شکاری نے رات کے وقت گدھوں کے سامنے گھاس ڈالی گدھے خوشی سے گھاس کھانے لگے مگر ہرن کو چین نہیں تھا وہ کبھی ادھر دوڑتا کبھی ادھر دوڑتا۔گدھوں کی خوراک کی طرف اس نے آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا اس سزا کو اس نے اپنی موت خیال کیا۔

ہرن بہت دن تک گدھوں کے اصطبل میں قید رہا جانکنی میں اس طرح بے چین تھا جیسے مچھلی خشکی پر بے چین ہوتی ہے اس کی حالت اس مشک کی طرح تھی جسکو مینگنی کے ساتھ رکھدیا گیا ہوا۔ایک گدھے نے ہرن کی حالت دیکھی تو اس سے کہنے لگا۔

اے ہرن! تیرا مزاج تو شاہانہ اور امیرانہ ہے مگر تو بالکل خاموش ہے۔ اپنے منہ سے کوئی بات نہیں کرتا آخر کیا وجہ ہے؟ دوسرا گدھا ہرن کا مذاق اڑاتے ہوئے بولا اس کی بات تو ہوتی ہے یہ اس کو سستا کب فروخت کر سکتا ہے۔ ایک اور گدھے نے لقمہ دیتے ہوئے کہا، اے ہرن! اگر تجھ میں اتنی ہی نازک مزاجی ہے تو تو شاہی تخت پر تکیہ لگا کر بیٹھ جا۔ ایک اور گدھ جس کو بدہضمی کی شکایت ہو گئی تھی اور وہ اپنے حصے کی گھاس نہ کھا سکا تھا اس نے ہران کو گھاس کھانے کی دعوت دی۔

ہرن نے انکار میں سر ہلا دیا۔ وہ گدھ کہنے لگا، مجھے معلوم ہے تو یہ انکار نخرے سے کر رہا ہے یا پھر غرور کی وجہ سے پرہیز کر رہا ہے۔ ہرن نے کہا، اے گدھے! تو ہی یہ خوراک کھا کیونکہ اس سے تیرے اعضاء تازہ اور زندہ ہیں۔ میں تو جنگل کی زندگی سے مانوس تھا میں نے سایوں اور باغوں میں آرام کیا ہے اگرچہ میں تقدیر خداوندی سے عذاب میں پھنس گیا ہوں لیکن اس آزادانہ مزاج کو نہ بدلنا تو میرے اختیار میں ہے۔ اگر میں اس وقت مصیبت میں گرفتار ہوں تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ میں اپنا آزادانہ مزاج ہی بدل ڈالوں۔ گدھا کہنے لگا، ہمیں کیا پتہ کہ تو جنگل میں کیا کرتا تھا۔ دوسرا گدھا بولا، یہ ہرن تو ایسے ہی لاف زنی کر رہا ہے پردیس میں چونکہ ناواقف لوگ ہوتے ہیں اس لیے شیخی بگھارنے اور گپیں مارنے کا بہت موقع ہوتا ہے۔ ہرن نے کہا میری بات پر یقین کر۔ میرا نافہ میرا سب سے بڑا گواہ ہے۔ جو کہ عود وعنبر سے بھی بڑھ کر خوشبودار ہے لیکن اس نافہ کی خوشبو تو صرف وہی سونگھ سکتا ہے جو صاحب دماغ ہو گوبر سونگھنے والا گدھا اس کو کیسے سونگھ سکتا ہے۔

اس حکایت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آزادی کی نعمت کی قدر وہی جان سکتا ہے جو اس نعمت سے بہرہ مند ہو چکا ہو۔

کیا دعا مانگوں؟

گاؤں میں ایک کسان رہتا تھا۔ اس کی دو جوان بیٹیاں تھیں۔ ایک کی اس نے

مالی سے شادی کر دی اور ایک بیٹی کمہار سے بیاہ دی۔ جب ان کی شادی ہوئے زمانہ ہوا تو کسان ایک دن گھر سے روانہ ہوا۔

پہلے وہ مالی کے باغ میں پہنچا۔ اپنی بیٹی کا حال دریافت کیا۔ بیٹی نے جواب دیا کہ اللہ کی بڑی رحمت ہے۔ یوں تو میرے دل کو کوئی غم نہیں مگر خدا سے ہر دم یہ دعا ہے کہ اگر بارش ہو جائے تو میرا باغ ہرا بھرا ہو جائے۔ اگر دو چار روز اور پانی نہ برسا تو تو سارا باغ سوکھ جائے گا۔ کسان اپنی بیٹی کو دعا دے کر وہاں سے روانہ ہوا اور کمہار کے گھر گیا۔ بیٹی کو خوشحال دیکھا۔ ادھر ادھر کی باتیں ہونے لگیں۔ بیٹی نے کہا باقی تو اللہ کے کرم سے سب کچھ ٹھیک ہے لیکن ایک فکر کھائے جاتی ہے۔ ہر روز بادل چھا جاتے ہیں جبکہ بنائے ہوئے سارے برتن سوکھنے کو دھرے ہیں۔ ہر وقت یہی دعا مانگتی ہوں کہ خدا کرے بارش نہ ہو۔

اس کے بات نے کہا کہ بیٹی بہن تیری بارش کی آرزومند ہے کہ خدا کرے بارش ہو تا کہ اس کے باغ میں درخت نہ سوکھنے پائیں اور تجھ کو اپنے برتنوں کا خیال ہے کہ بارش نہ ہو اور وہ سوکھ جائیں۔ میں تو حد سے زیادہ پریشان ہوں کہ خدا سے کیا دعا مانگوں؟

لالچ بری بلا ہے

ایک کتا نہر کے کنارے کنارے چلا جا رہا تھا۔ اس کے منہ میں ہڈی تھی۔ اچانک اس کو پانی میں اپنا عکس نظر آیا۔ کتے نے یہ سمجھا کہ کوئی دوسرا کتا منہ میں ہڈی دبائے پانی میں آ گیا ہے اور اس کی ہڈی خاصی بڑی ہے۔

کتا چلتے چلتے رک گیا۔ غرانے لگا۔ اپنا منہ وہ عکس کی جانب کر کے جھپٹا ہڈی اس کے منہ سے چھوٹ کر پانی میں گر گئی۔ اور وہ اپنا منہ کھول کر رہ گیا۔

اس کتے کو لالچ کی سزا مل گئی۔

دوبارہ مت آزماؤ

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک شیر کسی ہاتھی سے لڑ کر زخمی ہو گیا اس پر اس قدر کمزوری چھا گئی کہ وہ جانوروں کا شکار کرنے کے قابل کہ رہا اس بات کو کوئی دن گزر گئے شیر بھوک سے نڈھال تھا اور جو دوسرے درندے شیر کے شکار کا بچا کھچا کھاتے تھے وہ بھی بھوک کے ہاتھوں پریشان ہوئے جاتے تھے۔ ایک دن ایک لومڑی شیر کے پاس سے گزری تو شیر نے اس کو آواز دے کر اپنے قریب بلایا اور اس سے کہا کہ جنگل میں جا اور کسی گدھا کو بہلا پھسلا کر میرے پاس لے آنا تا کہ گدھے کا گوشت کھا کر میرے جسم میں کچھ تو توانائی آئے اس کے بعد میں خود دوسرا شکار کروں گا اور اس مین سے تھوڑا سا کھالوں اور باقی بچا ہوا تم کھالینا۔

لومڑی نے شیر سے کہا۔ اے بادشاہ سلامت! میں آپ کے حکم کی ضرور تعمیل کروں گی نزدیک ہی ایک دھوبی کا مکان تھا جس کا ایک گدھا جس کی کمر زخمی تھی اور خوراک پوری نہ ملنے کے سبب اکثر خالی پیٹ رہتا تھا جس کی وجہ سے وہ کمزور ہو گیا ہوا تھا۔ لومڑی شیر کا کہا سن کر اس کام کے لیے جا رہی تھی کہ دھوبی کا گدھ سامے سے آتا ہوا دکھائیدیا لومڑی نے آگے بڑھ کر اس کو بڑی گرم جوشی سے سلام کیا اور اس کو فریب دیتے ہوئے بڑے مکارانہ انداز میں کہنے لگی، اے بھائی گدھے! آپ کیوں اس خشک اور پتھریلی زمین میں رہتے ہیں جہاں پر آپ کو چارہ بھی ٹھیک طرح سے نہیں ملتا۔ گدھا بولا، یہ تو اللہ تعالیٰ کی تقسیم ہے میں چاہے دکھ میں ہوں یا سکھی ہوں اللہ تعالیٰ نے میرے مقدر میں جو لکھا ہے میں اس پر راضی ہوں اور اس کا شکر گزار ہوں۔

لومڑی نے گدھے کا یہ جواب سنا تو کہنے لگی۔ بات تو آپ کی ٹھیک ہے لیکن رزق حلال کی تلاش بھی فرض میں شمار ہوتی ہے۔ یہ عالم اسباب اور بغیر سبب اختیار کیسے یہاں رزق حاصل ہوتا ہے اگر تم کنویں کے اندر جا کر بیٹھ جاؤ تو تمہارے پاس رزق

چل کر نہیں آئے گا۔ گدھے نے اس چالاک لومڑی سے کہا، سبب کے بغیر رزق کا نہ آنا توکل کی کمزوری کی وجہ سے ہے ورنہ اگر اللہ تعالیٰ پر کامل توکل کیا جائے تو جس نے جان دی ہے وہ رزق بھی دیتا ہے۔ لومڑی کہنے لگی، ایسا توکل کہ رزق خود آئے آج کل کہاں دستیاب ہے یہ ہر ایک کے نصیب کی بات نہیں ہے دنیا میں ایسے بہت کم ہیں جن کے نصیب میں ایسا توکل ہے۔ گدھے نے کہا، تو الٹ بات کرتی ہے تجھے اس بات کی سمجھ نہیں ہے قناعت کرنا نقصان نہیں بلکہ فائدہ دیتا ہے قناعت کرنے سے آج تک کوئی نہیں مرا اور لالچ و حرص کرنے سے آج تک کوئی بادشاہ نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کا رازق ہے وہ تو سوروں اور کتوں کو بغیر کمائے دیتا ہے بارش ابر انسان کی محنت کے بغیر ہوتی ہے۔

لومڑی بولی، اے گدھے! ان باتوں کو چھوڑ اور غیر یانہ کوشش سے کمائی کے لیے ہاتھ چلا۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے ہاتھ پاؤں دیے ہیں ان سے کام کر کے خود بھی کھا اور دوسروں کو کھلا۔ گدھ کہنے لگا، میں اللہ تعالیٰ پر توکل سے بہتر کمائی کا کوئی اور ذریعہ نہیں جانتا توکل بھی کمائی کا ایک طریقہ ہے اور ایسا طریقہ ہے کہ دوسرے طریقوں میں اس کی ضرور پڑتی ہے اور اس میں کسی دوسرے پیشہ کی ضرورت نہیں پڑتی۔ غرض کہ لومڑی اور گدھے میں بہت بحث ہوئی دونوں سوال و جواب سے تھک گئے آخر کار لومڑی نے گدھے سے کہا۔ اے بھائی گدھے! اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو خشک اور پتھریلی جگہ پر بیٹھ کر صبر کرنا بھی حماقت اور بے وقوفی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی زمین بڑی وسیع ہے۔ یہاں سے نزدیک ہی ایک سبزہ زار علاقہ ہے وہاں پر لمبی لمبی گھاس اگی ہوئی ہے۔ یہ گھاس اس قدر اونچی ہے کہ اس کے اونٹ بھی چھپ جاتا ہے اس علاقہ میں ایک پانی کا جاری چشمہ بھی ہے جو جانور وہاں چلا جائے وہ خوش نصیبوں میں شمار ہوتا ہے۔ وہاں ہر جانور امن میں ہے اور عیش کر رہا ہے۔

گدھا بے چارہ بہر صورت گدھا تھا لومڑی کو یہ جواب نہ دے سکا کہ اگر وہ علاقہ

جوان خوبیوں کا ہے جو بیان کر رہی ہے تو پھر اس علاقے کے آثار تجھ پر کیوں دکھائی نہیں دیتے تو اس قدر کمزور اور لاغر کیوں ہے؟ اس علاقے کی نعمتوں سے تو تیری نگاہیں مست ہونی چاہییں تھیں۔ جو کچھ تو اس علاقے کی تفصیل بیان کر رہی ہے تجھ میں تو اس کی کوئی نشانی نظر نہیں آتی گدھے نے توکل کے موضوع پر باتیں تو بہت کیں لیکن چالاک لومڑی اس کو ہر طرح سے گمراہ کرنے کے درپے تھی۔ لومڑی گدھے کو سبزہ زار علاقے کا جھانسہ دیکر بہکاتی ہوئی جنگل کی جانب کے لے گئی تا کہ شیر گدھے پر حملہ کر کے اس کی تکا بوٹی کر دے اور گوشت کا بچا کھچا حصہ اسے بھی مل جائے۔ شیر نے دور سے لومڑی کو آتے ہوئے دیکھا کہ اس کے ساتھ گدھا بھی ہے شیر بڑا خوش ہوا اور اس کی بھوک میں تیزی آ گئی صبر اور برداشت کی قوت اس سے ختم ہوئی جا رہی تھی۔ شیر نے گدھے کے نزدیک آ جانے تک صبر نہ کیا اور ایک دم سے گدھے پر ناکام چھلانگ لگا دی گدھے نے بھی شیر کو فوراہی دیکھ لیا تھا وہ اس قدر تیزی سے بھاگا کہ پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔

لومڑی نے یہ صورت حال دیکھی تو شیر سے کہا، اے بادشاہ سلامت! آپ نے تھوڑی دیر صبر کیوں نہ کیا تا کہ وہ بے وقوف آپ کے قریب آ جاتا اور آپ کو آسانی سے اس پر غلبہ حاصل ہو جاتا وہ ابھی دور رہی تھا اور آپ نے اس پر حملہ کرنے کے لیے دوڑ لگا دی۔ وہ بھاگ اٹھا اس سے اس پر آپ کی کمزوری ظاہر ہو گئی اور خواہ مخواہ کی بے عزتی ہو گئی۔ شیر کہنے لگا، اے لومڑی! میں تو یہ سمجھتا تھا کہ میری قوت بحال ہے گدھے کو دیکھ کر یکدم مجھ میں ایک توانائی سی آ گئی تھی۔ میں سمجھ رہا تھا کہ میرے ہاتھ پاؤں میں طاقت ہے میں کمزور نہیں ہوں افسوس کہ میں اپنی کمزوری سے ناواقف تھا۔ گدھے پر جلد حملہ کرنے کی ایک وجہ یہ تھی کہ مجھے بھوک بہت لگ رہی تھی اور بھوک کی وجہ سے میری عقل جاتی رہی اور میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ اب تو عقل مندی اور چالاکی سے ایسا کام لے کہ کسی طرح اس کو دوبارہ میرے پاس

لے آ تیرا یہ مجھے پر احسان ہو گا۔تو کوشش کر شاید وہ تیرے مکر میں آ کر دوبارہ اس طرف آ جائے اگر اللہ تعالٰی اس گدھے کو میری روزی بنا دے گا تو میں اس کو کھا کر قوی ہو جاؤں گا اور پھر بہت شکار کر کے تجھے بھی کھلایا کروں گا۔

لومڑی نے کہا، اگر اللہ تعالٰی کی مدد شامل حال رہی تو پھر گدھے کے دل پر اندھے پن کی مہر لگ جائے گی تو وہ اس بات کو بھول جائے گا جو اس نے دیکھا ہے اور یہ بات اس کے گدھے پن سے بعید نہیں ہے۔لیکن ایک بات ہے اگر میں اس کو دوبارہ چکر دے کر لے آؤں تو اب کی مرتبہ عجلت اور جلد بازی سے کام نہ لینا اور صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔شیر نے کہا، ہاں ہاں میں پہلے ہی تجربے سے اس بات کو معلوم کر چکا ہوں کہ مجھ پر کمزوری نے غلبہ پا لیا ہوا ہے۔اس مرتبہ جب تک گدھا بالکل ہی میرے نزدیک نہ آ جائے میں ہرگز اس پر حملہ نہ کروں گا۔پھر شیر کہنے لگا، اب تک تو اس گدھے نے اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں بہت توبہ کر لی ہو گی کہ میں ہرگز لومڑی کے دھوکے میں نہ آؤں گا۔

لومڑی نے کہا، گدھے کی عقل ہمارے مکر کا کھلونا ہے۔میں مکر سے اس کی توبہ توڑ دوں گی۔چنانچہ جب لومڑی دوبارہ گدھے کے پاس آئی تو گدھے نے اس سے کہا۔میں تجھ جیسے دوست سے پناہ مانگتا ہوں اے بزدل! میں نے تیرا کیا بگاڑا تھا کہ تو نے مجھے شیر کے سامنے جا کر کھڑا کیا۔اے نامراد! میں نے تیرے ساتھ کیا کیا تھا جو تو مجھے اس بھوکے شیر کے سامنے لے گئی۔میری جان سے تیرے کینہ کی کیا وجہ تھی تو اس لیے میری جان کی دشمن بنی کہ تیرے باطن میں خیانت ہے اس بچھو کی طرح جو اس کے بھی پاؤں پر کاٹ دیتا ہے۔جس سے اسے تکلیف نہ بھی پہنچے۔
لومڑی نے گدھے کو اس قدر غصے میں دیکھا تو کہنے لگی۔اے گدھے بھائی! جنگل میں تجھے جو شیر دکھائی دیا تھا وہ کوئی حقیقی شیر نہ تھا بلکہ ایک طلسم تھا جو تجھے شیر کی شکل میں نظر آیا ورنہ اگر وہ اصلی اور حقیقی شیر ہوتا تو میں جو تجھ سے بھی کمزور جسم کی ہوں اس

کے پنجے سے کیسے بچ سکتی تھی لیکن میں تو دن رات اس جگہ پر چرتی ہوں۔اس جگہ پر اس طرح کا طلسم بنانے میں حکمت یہ ہے کہ ہر پیٹو وہاں پر نہ پہنچ سکے۔اگر وہاں پر یہ طلسم نہ ہوتا تو جو بیل اور گینڈے بھوکے پھرتے رہتے ہیں وہ اس چراگاہ کو دنوں میں ہی ختم کر ڈالتے۔ میں تو تجھے پہلے ہی اس طلسم کی حقیقت کے بارے میں بتانا چاہتی تھی مگر میں بھول گئی تھی۔ مجھے تیری بھوک اور بے سروسامانی دیکھ کر کچھ یاد ہی نہ رہ کہ میں تجھ سے اس طلس کا ذکر پہلے سے کر دیتی تاکہ تجھے بھی حقیقت سے آگاہی ہو جاتی کہ وہ طلسم ایک خیالی چیز ہے کوئی حقیقی شیر نہیں ہے۔

گدھے نے لومڑی سے کہا اے دشمن میرے سامنے سے دفع ہو جا۔ میں تیری بری صورت دیکھنا نہیں چاہتا تو میرے سامنے سے چلی جا تجھے اللہ تعالیٰ نے بدبخت بنایا ہے اور تیرے چہرے کو بھی بے شرم اور سخت بنایا ہے۔تو کس منہ سے میرے سامنے آئی ہے۔تو نے تو کھلم کھلا میرے ساتھ دشمنی کی ہے اور میری جان کے در پے ہوئی ہے مجھے لے جا کر موت کے منہ میں کھڑا کر دیا۔اگرچہ میں گدھا ہوں لیکن جاندار ہوں ہلاک ہونا کیسے پسند کر سکتا ہوں۔جس خوف اور ڈر کی کیفیت سے میں گزرا ہوں اگر کوئی بچہ بھی گزرے تو وہ فوراً بوڑھا ہو جائے۔اس شیر کے خوف سے میں نے اس قدر بے دل اور بے جان ہو کر دوڑ لگائی کہ اس وقت ڈر کے مارے میرے پاؤں بندھ گئے اور خوف کی وجہ سے کام نہ دیتے تھے اس وقت میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ اے اللہ! اگر تو میرے پاؤں کھول دے تو میں آئندہ کبھی کسی کے بہکاوے میں نہیں آؤں گا۔اس عہد اور دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے میرے پاؤں کھول دیے اور میں بچ کر نکل بھاگا ورنہ وہ شیر تو مجھ پر آن پڑا تھا اور پھر ظاہر ہے شیر کے پنجے میں میرا کیا حال ہوتا۔اب مکر کرنے کے لیے شیر نے تجھے دوبارہ بھیجا ہے۔

لومڑی کہنے لگی! اے گدھے! میری سچائی میں کوئی مکر نہیں ہے میں بالکل صاف

ہوں لیکن وہم بھی کوئی معمولی چیز نہیں ہوتی ٹھیک بات کو بھی غلط دکھا دیتی ہے ورنہ میرے دل میں تیرے لیے نہ کوئی کینہ ہے اور نہ کھوٹ یہ سب کچھ تیرے وہم کا نتیجہ ہے اپنے برے خیال سے مجھے نہ دیکھ وہم کی بناء پر دوستوں سے بدظنی مناسب نہیں ہے۔غرض کہ لومڑی نے بہت ہی چکنی چپڑی باتیں کیں اور گدھے پر اپنے مکر سے قابو کرلیا گدھے کی حرص اس کے صبر پر غالب آ گئی اور اس کا صبر کمزور پڑ گیا چونکہ بھوک کی وجہ سے بدحال تھا اس لیے دوبارہ لومڑی کے فریب میں آ گیا اور سوچنے لگا اگر یہ لومڑی کا مکر ہے اور میرے مارنے کی ترکیب ہے تو بھوک کے زریعہ سے بار بارر کی موت سے ایک بار کی موت اچھی ہے۔

چنانچہ گدھ لومڑی کے مکر میں آ گیا اور لومڑی گدھے کو دوبارہ شیر کے سامنے لے گئی شیر نے اس مرتبہ صبر سے کام لیا اور جب گدھ اس کے بالکل نزدیک آ گیا تو اس نے اپنی قوت کو مجتمع کرتے ہوئے یکدم حملہ اس پر کردیا۔اس کے ٹکڑے ٹکڑے کردیے چونکہ شیر کئی دنوں سے بھوکا تھا اس لیے گدھے کی چیر پھاڑ سے تھک گیا اسے پیاس محسوس ہوئی اس نے لومڑی سے کہا کہ تو دھیان رکھ میں ذرا چشمہ سے پانی پی کر ابھی آتا ہوں شیر کی غیر موجودگی میں لومڑی نے موقع کا فائدہ اٹھایا اور گدھے کا دل اور جگر کھا گئی ۔ جب شیر چشمے سے پانی پی کر واپس آیا تو اس نے گدھے کا دل اور جگر ڈھونڈا مگر اسے نہ ملا۔لومڑی سے کہنے لگا ،اے بی لومڑی! دل اور جگر تو ہر جانور میں ہوتے ہیں اس گدھے کے کہاں ہیں؟ لومڑی فورا بولی اے بادشاہ سلامت! اگر اس گدھے کا دل اور جگر ہوتا تو یہ دوبارہ آپ کے پاس کیسے آتا اس گدھے نے جو تیرا قیامت خیز حملہ دیکھا تھا اور جس خوف سے وہ بھاگا تھا کبھی دوبارہ ادھر کا رخ نہ کرتا۔

اس حکایت سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ ’’مومن ایک سوراخ سے دومرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔‘‘ یعنی ایک بار جس کو آزمالیا ہو اور اس آزمائے میں دھوکہ دیا جانا صاف اور

شفاف نظر آ جائے تو پھر اس کو دوبارہ نہیں آزمانا چاہیے اور سابقہ تجربے کی روشنی
میں عقل سے کام لیا چاہیے۔



کوااور لومڑی

کوا چونچ میں روٹی لئے بیٹھا تھا۔ اتفاق سے اس پیڑ کے پاس سے لومڑی گزری۔ اسے بڑی بھوک لگی تھی۔ جنگل میں بڑی دیر سے وہ بھوکی پھر رہی تھی۔ اسی کوشش میں تھی کہ کہیں سے کچھ مل جائے تو کھائے۔ اسے کوے کی چونچ میں روٹی نظر آئی تو دل میں کہنے لگی کہ کاش یہ روٹی مجھے کھانے کو مل جائے۔ اچانک اسے تدبیر سوجھی۔ کوے کی طرف دیکھ کر بولی۔

"کوے میاں! واللہ کیا حسن ہے کیا رنگ ہے تمہارا بلبل کے پروں میں بھی ایسی سیاہی نہیں۔ گردن ہے تمہاری صراحی کی طرح اور پر ہیں چمکدار۔ یہ شان پرندوں میں اور کسی کی نہیں ہے۔ اگر تمہاری آواز بھی سریلی ہوتی تو دنیا میں تمہارا کوئی مقابل ہی نہ تھا۔ لاجواب ہو تم"

کوے نے لومڑی کی بات سنی تو دل میں کہا کہ شاید یہ واقف نہیں ہے ورنہ میری آواز کچھ سریلی نہیں ہے۔ اور دلکش نغمہ سنانے کے لئے چونچ کھول دی۔ اور کائیں کائیں کرنے لگا۔

بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ چونچ کے کھلتے ہی روٹی نیچے گر گئی لومڑی اسے کھانے کے لئے دوڑی۔ بھوک سے اس کا برا حال ہو رہا تھا۔ روٹی چبانے لگی۔ مسکرانے لگی۔ کوا ٹکر ٹکر اسے دیکھے جا رہا تھا کہ میری آواز کی نہیں روٹی کی دیوانی تھی۔ لومڑی نے کہا۔ آواز تو میاں کوے تمہاری بڑی اچھی ہے مگر عقل موٹی ہے۔

کامل ایمان

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے زمانے میں ایک کافر تھا کہ ایک مسلمان نے اس کافر سے کہا کہ اگر تو مسلمان ہو جائے تو کتنی اچھی بات ہے تجھے جہنم سے نجات حاصل ہو جائے گی۔ اس کافر نے کہا، اے مسلم! اگر ایمان وہ ہوتا ہے جو حضرت بایزید رحمتہ اللہ علیہ رکھتے ہیں اگر چہ میں اسلام کے دین اور ایمان پر اعتقاد نہیں رکھتا ہوں لیکن ان کے ایمان پر میرا ایمان ہے۔ میرا یقین ہے کہ باویزید رحمتہ اللہ علیہ سب سے بڑھ کر ہیں اور میں پوشیدہ طور پر ان کے ایمان پر ایمان رکھتا ہوں لیکن زبان سے ظاہر نہیں کر سکتا ہوں۔

پھر اس کافر نے کہا، اگر ایمان سے مراد تمہارے والا ایمان ہے تو نہ مجھے اسے ایمان کی خواہش ہے اور نہ اس کی طرف میرا جھکاؤ ہے۔ تم تو ایسے مومن ہو کہ اگر کسی کو ایمان کی خواہش بھی ہو تو وہ تمہیں دیکھ کر سست پڑ جائیگا اس لیے کہ تمہارا ایمان تو برائے نام ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

اس حکایت سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ ہر مسلمان کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق کامل طور پر زندگی بسر کرنی چاہیے تا کہ غیر مسلم بھی اگر مسلمان کی سیرت کو دیکھے تو اسے کسی قسم کی حجت کرنے کا موقع نہ ملے اور وہ مسلمان کو دیکھ کر اسلام کی طرف راغب ہو۔

فیصلہ ہو گیا

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ کسی مقام پر رومی اور چینی ماہرین فن کافی تعداد میں جمع تھے اس کی آپس میں بحث شروع ہو گئی کہ بہترین مصور اور نقاش کون سی قوم سے ہے۔ چینی اس بات کے دعویدار تھے کہ نقش و نگار بنانے میں ہم جیسا ماہر کوئی نہیں ہے۔ رومیوں نے بھی بڑھ چڑھ کر دعوی کیا کہ نقاشی و مصوری کے فن میں ہم استاد ہیں۔ اور اس فن میں ہمارے جیسا ماہر اور کوئی دوسرا نہیں ہے جب بحث عروج پر پہنچ گئی تو ان دونوں میں فیصلہ کرانے کی غرض سے یہ طے ہوا کہ دو دیواریں بنا کر ان کے درمیان ایک پردہ حائل کر دیا جائے تاکہ کسی کی نظر ایک دوسرے دیوار پر نہ پڑے ایک دیوار پر چینی اپنے فن کا مظاہرہ کریں اور دوسری پر رومی اپنا کمال دکھائیں اس کی مدت ایک ماہ طے کی گئی۔ چنانچہ فیصلے کے مطابق دو دیواریں تیار کر کے درمیان میں ایک پردہ حائل کر دیا گیا تاکہ دونوں اپنے اپنے فن کا مظاہرہ کریں۔ اس کے بعد ایک طرف چینی بیٹھ گئے اور دوسری طرف رومی چینیوں نے بے شمار قسم کے رنگا رنگ روغن منگوائے اور دیوار پر نقش و نگار بنانے شروع کر دیے پورے مہینے میں انہوں نے بھرپور محنت کر کے مصوری کا عظیم الشان مظاہرہ کیا اور دیوار پر ایک خوب صورت باغ کی شکل بنا دی۔

دوسری طرف رومیوں نے کچھ بھی نہ کیا انہوں نے پوری دیوار کو رگڑ کر صاف کرنے میں لگا دیا اور دیوار کو رگڑ رگڑ کر اس قدر صاف اور چمکدار کر دیا کہ دیوار شیشے کی طرح صاف و شفاف ہو گئی۔ ایک مہینہ کی مقررہ مدت کے بعد لوگ اکٹھے ہوئے کہ دیکھتے ہیں کون اپنے فن میں زیادہ ماہر ہے سب سے پہلے چینیوں کی بنائی ہوئی دیوار دیکھی گئی سب لوگ اس پر بنے باغ کے نقش و نگار دیکھ کر دنگ رہ گئے اور عش عش کر اٹھے اس کے بعد جب رومیوں کی دیوار دیکھنے کے لیے پردہ اٹھایا گیا تو رومیوں نے جو دیوار کو رگڑ رگڑ کر شیشے کی مانند بنا دیا ہوا تھا۔ چینیوں کی دیوار پر بنے ہوئے

تمام نقش ونگار اس دیوار میں منعکس ہو گئے اور یہ دیوار چینیوں کی دیوار سے بھی زیادہ خوب صورت دکھائی دینے لگی یہ دیکھ کر لوگ رومیوں کے فن اور زہن کی داد دیے بغیر نہ رہ سکے اور فیصلہ رومیوں کے حق میں کر دیا۔



جانثار مصاحب

خوارزم شاہ کاایک مصاحب بڑا فدا کار اور جان نثار تھا۔ اس کو بادشاہ سے ایسا ہی عشق تھا۔ جیسا کہ پروانہ شمع سے ایک دن اس سے لغزش وہ گئی۔ جس پر بادشاہ سخت ناراض ہوا۔ غصہ میں آپے سے باہر ہو گیا۔ اور تلوار کھینچ کر آگے بڑھا تا کہ مصاحب کا سرتن سے جدا کر دے۔ یہ دیکھ کر دربار میں ایک سناٹا چھا گیا۔ کیونکہ قصور اتنا بڑا نہ تھا کہ مصاحب واجب القتل ٹھہرتا۔ سبھی چاہتے تھے کہ بادشاہ کو قتل سے روکیں۔ مگر اس کے خوف سے کسی کو جرات شفاعت نہیں ہوتی تھی۔ اسوقت دربار میں عماد الملک بھی تھا۔ جسے بڑھاپے نے نہایت ناتواں کر رکھا تھا۔ وہ لپک کر آگے بڑھا اور غضب ناک بادشاہ کے سامنے اپنی گردن خم کر کے کہنے لگا میں حضور کو مصاحب کی طرف نہیں بڑھنے دونگا۔ جب تک کہ پہلے مجھے قتل نہ کر لیں۔ میں نے بادشاہ کا نمک کھا کھا کر سر سفید کیا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ بادشاہ کی گردن پر ناحق خون چڑھے۔ امید ہے کہ بادشاہ میری عرض کو قبول فرماتے ہوئے ارادہ قتل سے باز رہیں گے۔

یہ سن کر بادشاہ کا قہر دھیما پڑ گیا۔ اس نے تلوار ہاتھ سے پھینک دی اور عماد الملک کو گلے لگایا۔ اور اس کے ہاتھوں کو چوما اور کہا میں نے مصاحب کی خطا معاف کی بیشک تعجیل شیطانی کام ہے۔ اور میں اس پر نادم ہوں۔

مصاحب کو عماد لملک نے موت کے منہ سے بچایا تھا۔ اس لیے لازم تھا کہ اس کے پاؤں دھو دھو کر پیتا اور تاعمر اس کا خادم بنا رہتا۔ مگر اس نے اس کے برعکس عمل کیا۔ عماد لملک سے کلام کرنا ترک کر دیا۔ لوگوں میں اس کا چرچا ہوا تو سب اسے لعنت ملامت کرنے لگے کہ تو عجیب احسان فراموش اور ناشکرا ہے کہ اپنے نجات دہندہ سے منحرف ہو بیٹھا۔

موزے میں سانپ

ایک دن حضور نبی کریم ﷺ وضو فرمانے لگے تو اپنے موزے مبارک پاؤں سے اتارے وضو فرمانے کے بعد آپ ﷺ نے ایک موزہ پہنا دوسرا پہننے کے لیے دست مبارک بڑھایا، ہی تھا کہ فضا سے ایک پرندہ اڑتا ہوا آیا اور موزہ چھین کر لے اڑا اس موزے سے ایک سانپ گرا پرندہ موزے کو بھی گرا کر ہوا میں اڑ گیا۔

حضور سرور کائنات ﷺ نے پرندے کو حکم دیا کہ وہ میرے سامنے حاضر ہو کر اس حرکت کی وجہ بیان کرے کہ اس نے بغیر میری اجازت کے کیوں میرے موزے کو اٹھایا۔ وہ پرندہ حاضر خدمت ہوا اور عرض کرنے لگا۔ یا رسول اللہ ﷺ مجھے موزہ مبارک کے اندر سانپ نظر آ گیا تاھ۔ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ اس طرف توجہ نہ فرمائیں اور موزہ مبارک پہن لیں اور آپ کو سانپ کوئی ایذا پہنچادے اس لیے میں خطرے کے پیش نظر یہ تدبیر کی کہ جلدی سے موزہ اٹھا کر فضا میں چلا گیا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا سانپ کس طرح نظر آ گیا۔ پرندے نے عرض کیا، یا رسول ﷺ! جب میں مسجد نبوی کے اوپر سے گزر رہا تھا تو آپ کے سر پر انوار سے ایک نورانی شعاع پھوٹ رہی تھی جو سیدھی آسمان کی طرف جا رہی تھی اس نورانی شعاع کی روشنی میں مجھے موزے کے اندر سانپ دکھائی دے گیا۔

اس دن سے حضور نبی کریم ﷺ نے حکم فرمادیا کہ موزہ پہننے سے پہلے جھاڑ لیا کرو۔

اس واقعہ سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ پرندے بھی حضور نبی کریم ﷺ کے تابع فرمان تھے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ موزے یا کپڑے جو بھی لباس پہنا جائے اس کو پہننے سے قبل جھاڑ لیا چاہیے تا کہ اگر اس میں کوئی کیڑا یا موذی چیز وغیرہ ہو تو وہ جھاڑے سے نیچے گر جائے اور انسان کو کسی قسم کی ایذا نہ پہنچائے۔

بہانہ

نہر کے کنارے بھیڑ کا ایک بچہ کھڑا تھا۔ایک بھیڑیے نے اس دور سے دیکھا۔ا س پر حملہ کرنے کو دوڑا۔اور بھیڑ کے بچے سے ذراہٹ کر پانی پینے لگا۔اور کچھ دیر غراتے ہوئے بھیڑ کے بچے سے کہا۔

اندھے تجھے دکھائی نہیں دیتا۔ بتا اب میں کیسے پانی پیوں تو نے ساری نہر کا پان گدلا کر دیا ہے۔

بھیڑ کے بچے نے کہا۔

کیا مطلب تم اونچی جگہ کھڑے ہو جبکہ میں تم سے نیچے کھڑا ہوں۔

پانی تو تمہاری طرف سے میری طرف آرہا ہے۔

بھیڑیا تھوڑی دیر چپ کر گیا۔اور پھر غراتے ہوئے بولا۔

اچھا تو یہ بتا تو نے مجھے گالیاں دیں۔اس واقعہ کو ایک سال کر عرصہ ہو گیا ہے۔

بھیڑ کے بچے نے کہا۔

میں تو اس وقت پیدا بھی نہ ہوا تھا۔میری عمر چھ ماہ۔

خونخوار درندے نے لاجواب ہو کر بھیڑ کے بچے حملہ کر دیا۔کہا

اپنی توہین کا میں ضرور بدلہ لوں گا۔اس وقت تو نہ تھا تو تیرا باپ ہو گا یہ کہتے ہی خونخوار درندے نے بھیڑ کے بچے کو چیر پھاڑ ڈالا اور اس کا گوشت کھانے لگا۔

باز کا حشر

ایک بادشاہ کے پاس بڑا ہی خوبصورت اور پیارا باز تھا بادشاہ کو اس باز سے بڑی محبت تھی ایک مرتبہ کا زکر ہے کہ بادشاہ کا باز شاہی محل سے اڑ کر کسی بڑھیا کی جھونپڑی میں جا گھسا بڑھیا نے باز کو پکڑ لیا اور اسے دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی باز کی حالت دیکھ کر کہنے لگی۔ اس قدر خوب صورت پرندے کا اتنا برا حال کیا ہوا ہے ایسے لگ رہا ہے کسی جاہل کے رہا ہے ناخن دیکھو تو اس قدر لمبے ہیں لگتا ہے کبھی انکو تراش ہی نہیں گیا پر دیکھو تو وہ بھی اتنے لمبے شاید کبھی ان کی تراش خراش ہی نہیں کی گئی کس قدر برا حال کر رکھا ہے کسی نے یہ سوچ کر بڑھیا اٹھی اور قینچی سے باز کے ناخن کاٹ دیے اس کے بعد پر بھی کاٹ دیے اپنی دانست میں یہ کام کر کے بڑھیا بڑی خوش ہوئی کہ میں نے باز کی حالت سدھار دی ہے۔ اسی اثناء میں بادشاہ اپنے مصاحبوں کے ہمراہ باز کی تلاش میں بڑھیا کی جھونپڑی تک آ پہنچا۔ جب بادشاہ نے اپنے باز کی یہ حالت دیکھی تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور بولا، جو کسی جاہل کی صحبت میں رہے گا اس کا بھی ویسا ہی حشر ہوگا جو اس باز کا ہوا ہے۔

دو غلاموں کی کہانی

ایک بادشاہ کے پاس دو غلام آئے ۔ جو حسن میں لاجواب اور ہر فن میں طاق تھے۔خوش نویسی میں آقائے عماد۔نظم میں نظامی ،مصوری میں مانی و بہزاد،تدبیر میں نظام الملک ، دانش و اخلاق میں ارسطو، حکمت اشتراق میں افلاطون ، لغت میں جوہری نحو میں ابن حاجب اور رضی اور ابن اثیر ہندسہ مین قلیدس ، حافظہ میں ابن سینا۔طب حدیث فقہ قرآن اور نسب، علم کلام اور سپہ گری، الغرض ہر علم وفن میں ید طولے حاصل تھا ایک سے ایک بڑھ کر تھا۔

ان دو میں سے ایک کو گندہ ذہنی کا عارضہ تھا۔ اور دوسرے میں کوئی ظاہری نہ عیب تھا۔ بادشاہ دونوں پر یکساں مہربان رہا۔ایک دن اس کے دل میں خیال آیا۔ کہ ان کے باطنی کمالات کو آزمانا چاہیے۔ وہ گندہ ذہن غلام کو خلوت میں لے گیا۔ اور اس سے کہا کہ تیرا دوست تیری پیٹھ پیچھے بد گوئیاں کرتا ہے۔ تیری نسبت وہ چور گندہ ذہن جھوٹا ۔حقیر اور خدا جانے کتنے ناسزا کلمات بکتا ہے بادشاہ کی باتوں کو وہ بڑی توجہ سے سن کر بولا۔میرا دوست تو بڑا باحیا ہے خوش خلق اور نیک آدمی ہے۔ مجھے اس جیسا کوئی نظر نہیں آتا۔وہ دوست میں کوئی عیب دیکھتا ہے تو صاف منہ پر کہہ دیتا ہے میں نے بارہا آزمایا اور معلوم کیا ہے کہ وہ جھوٹ کبھی نہیں بولتا۔ ممکن ہے کہ مجھ میں یہ عیب ہوں ۔ورنہ وہ ایسا کہنے والا نہیں۔ یہ سن کر بادشاہ نے منہ بنا کر اس سے کہا۔ دور ہو اور جا کر پس پردہ بیٹھ۔

اس کے بعد بادشاہ نے اس کے ساتھی غلام کو بلایا اور کہا کیا سبب ہے تیرا رفیق تجھ میں سدا عیب بیان کرتا ہے۔وہ تجھے غدار، چور، کذاب اور مکار وغیرہ کہتا ہے یہ سن کر اس غلام کو بڑا غصہ آیا اور اس کے منہ سے جھاگ اٹھ کر فرش پر گر پڑی۔ اسی غضب کی حالت میں وہ گالیاں بکنے لگا۔ اور اس کے حسب ونسب کے بیسیوں عیب چھان ڈالے۔ بادشاہ نے سن کر کہا۔بس خاموش ۔ مجھے تیری خو معلوم ہوگئی۔ مجھے

فقط یہ آزمانا تھا کہ تم دونوں میں سے پاک باطن کون ہے۔ پتہ لگ گیا کہ وہ پاک دل اور سعید ہے۔ اور تو پلید اور شیطان۔ اس کے بعد بادشاہ نے اس کا رتبہ بڑھایا اور اسے نظروں سے گرایا۔

جو شخص اپنے عیبوں پر نظر نہیں کرتا اور دوسروں کے عیب ڈھونڈتا ہے وہ بیوقوف مغرور اور متکبر ہوتا ہے۔ بری صورت والا نیک سیرت انسان اچھی صورت والے بد سیرت آدمی سے ہزارہا درجہ بہتر ہے۔

کیا ہی خوب فرمایا حضرت رحمتہ اللعالمین شفیع المذنبین ﷺ نے

''خدا تمہاری صورت کو نہیں دیکھتا تمہارے تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے''

عید کا چاند

یہ حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت کا واقعہ ہے کہ رمضان المبارک کے مہینہ کے آخری دن میں لوگ عید کا چاند دیکھنے کی غرض سے ایک پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے۔ سب لوگ بڑے غور سے آسمان کی طرف دیکھ کر چاند تلاش کر رہے تھے۔ لیکن چاند دکھائی نہ دیا ایک شخص حضرت عمرؓ سے کہنے لگا اے امیر المومنینؓ! چاند یہ ہے مجھے نظر آرہا ہے۔ جب حضرت عمر فاروقؓ نے آسمان کیطرف دیکھا تو کہیں بھی چاند دکھائی نہ دیا آپ نے اس شخص کی آنکھ کی طرف دیکا تو طرف دیکھا تو فرمایا، اپنے ہاتھ سے اپنی ابرو کو مل اور پھر آسمان کی طرف دیکھ کر چاند دکھائی دیتا ہے یا نہیں چنانچہ جب اس شخص نے اپنی ابرو پر ہاتھ پھیر کر آسمان کی طرف دیکھا تو کہا اب تو چاند نظر نہیں آتا وہ غائب ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا، وہ تمہاری ابرو کا ایک بال تھا جو کمان کی طرح کر تمہاری آنکھ کے سامنے آگیا تھا۔ اور وہی بال تمہیں چاند دکھائی دے رہا تھا۔

صابر ماں

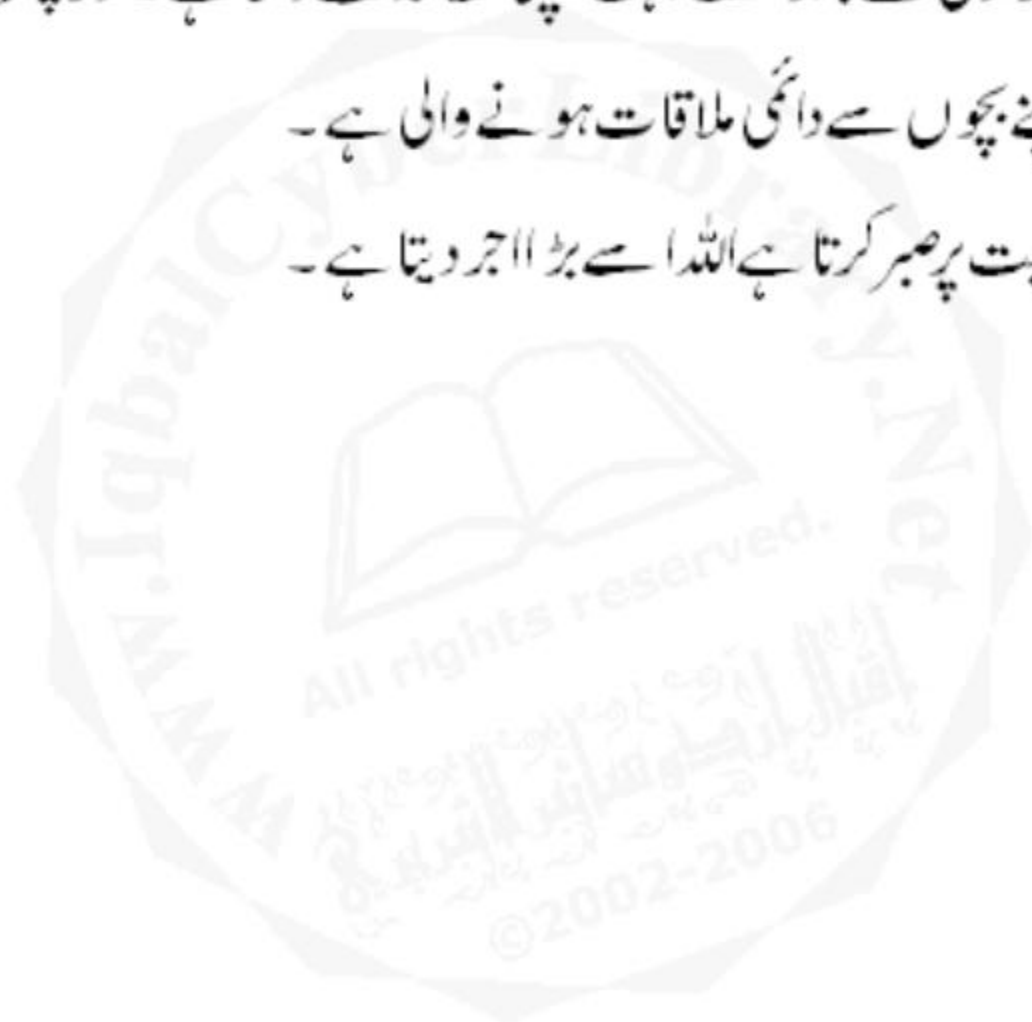
ایک عورت ہر سال بچہ جنتی تھی مگر وہ ولادت سے دو ماہ بعد مر جاتا اسی طرح بیس بچے اس کی گود خالیکر کے اللہ میاں کے گھر پہنچے۔ بیسواں بچہ مرنے پر اسے بڑا صدمہ ہوا۔ اور وہ غم سے بے خود ہو کر بول اٹھی کہ اے اللہ! تیری دہائی۔ لونڈی سے کیا تقصیر ہوئی کہ سال میں نو مہینے محنت اٹھاتی ہے اور صرف دو ماہ خوشی دیکھتی ہے۔ امید کا درخت جب پھل لاتا ہے۔ تو صرف دو مہینے اس کی بہار دیکھنا نصیب ہوئی۔ میرے باغ مراد میں بیس پھول کھلے مگر میں نے سیر ہو کر ایک کی بھی دید نہ کی۔ آئے دن مجھے غم کی ہول لگی رہتی ہے۔ میرا کوئی بچہ پروان نہ چڑھا۔ نہ میں نے کسی کو بنا بنتے دیکھا نہ بنی یہ کہتے ہی اس کی آنکھ سے ٹپ ٹپ آنسو گرنا شروع ہو گئے اور روتے روتے سو گئی۔

خواب میں کیا دیکھتی ہے کہ ایک ایسا شگفتہ پر بہار چمن ہے۔ جس پر دنیا کے تمام باغ نثار ہوں ہے جنت تھی جو اسے دکھائی گئی۔ جنت کو باغ سے نسبت دینا ویسا ہی جیسا کہ نور خالق کی شمع سے مثال پیش کرنا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ نہ دنیا میں جنت کی مثل کوئی چیز ہے نہ خدا کی طرح کوئی شے صرف ایک خیال دلانے کے لیے ان چیزوں کو بطور مثال پیش کر دیا جاتا ہے۔

اس عورت نے خواب میں دیکھا کہ چمن کے اندر ایک محل ہے جو چاندی اور سونے کی اینٹوں سے بنا ہوا ہے۔ اور اینٹیں مشک اور کافور سے چنی ہوئی ہیں۔ اس محل پر موٹے حروف میں اس عورت کا نام لکھا ہے۔ اس کے اندر جا کر عورت نے دیکھا کہ اس میں سب طرح کی نعمتیں موجود ہیں۔ اسے وہاں سے اپنے سب بچے بھی مل گئے۔ جو اسے دیکھ کر کھل کھلا کر ہنس پڑے۔ ایک فرشتے نے اس عورت سے کہا تو نے جو بچوں کے مرنے پر صبر کیا تھا یہ اس کا اجر ہے۔ کہ خدا نے تیرے لیے عالیشان مکان بہشت میں بنایا ہے۔ جہاں تیرے سارے بچے بھی موجود ہیں۔

جب وہ خواب سے بیدار ہوئی تو اس کا تمام ملال جاتا رہا۔ کیونکہ اس نے سمجھ لیا کہ کہ چند روزہ زندگی کے بعد اسے بہت اچھا ٹھکانہ ملنے والا ہے۔ اور چند دن کے فراق سے اپنے بچوں سے دائمی ملاقات ہونے والی ہے۔

جو شخص مصیبت پر صبر کرتا ہے اللہ اسے بڑا اجر دیتا ہے۔



چار فضیلتیں

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت موسیٰ نے فرعون سے فرمایا کہ اے فرعون! تو میری ایک بات مان لے اور اس کے بدلے چار فضیلتیں حاصل کر لے فرعون نے کہا۔ اے موسیٰ! وہ ایک بات کیا ہے؟ اس ایک بات کی تشریح کر دیجئے۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا، وہ ایک بات ہے کہ تو توحید کا قائل ہو جا اور اس بات کا اعلان کر دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ تمام کائنات کا خالق جو آسمانوں کو اور بلندی پر ستاروں کو پیدا کرنے والا ہے اور ہر چیز کو خلق کرنے والا ہے اس کی سلطنت لامحدود ہے اور وہ بے مثال ہے۔ وہ دنیا میں ہر جاندار کو رزق دیتا ہے اور وہ زمین و آسمان کا محافظ بھی ہے اور ہر انسان کے دل کے راز جانتا ہے اللہ تعالیٰ بادشاہوں کا بادشاہ ہے اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

فرعون نے حضرت موسیٰ کی بات سن کر کہا، اے موسیٰ! اگر میں اس بات کا اقرار کر لوں تو وہ چار کیا ہیں؟ جو اس اقرار کے بدلے میں مجھے ملیں گی ہوسکتا ہے کہ میں آپ کی فضیلتوں پر ایمان لے آؤں۔ حضرت موسیٰ نے ان چار باتوں کی تشریح فرمائی جو ایمان لانے کے عوض فرعون کو حاصل ہوں گی اور فرمایا، ان چاروں میں سے پہلی یہ ہے کہ اگرچہ تو اس وقت بھی صحت مند ہے مگر ایمان لانے پر اس بات کا وعدہ ہے کہ تیرے جسم کا پائیدار صحت حاصل ہوگی اور وہ بیمایاں جو طب میں مذکور ہیں تیرے جسم سے دور ہوں گی۔

دوسری بات جو تجھے حاصل ہوگی وہ عمر کی درازی ہے تیری عمر دراز ہوگی بالآخر تجھے موت آئے گی مگر ایسی حالت میں آئے گی کہ تو دنیا سے بامقصد جائے گا۔ تجھے مرنے کی ایسی تمنا ہوگی جیسی کہ بچہ کو دودھ کی ہوتی ہے یہ تمنا دنیا سے تنگ آ کر مرنے کی نہ ہوگی بلکہ اس لیے ہوگی کہ تو یہ سمجھے کہ جب تک جسم ویران نہ ہوگا اس کے اندر مدفون خزانہ ہاتھ نہ آئے گا۔

فرعون نے کہا، اے موسیٰ! مجھے تیری بات بتاؤ۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا جب تو ایمان لے آئے گا تو تجھے دونوں جہانوں کی دوہری بادشاہت حاصل ہو جائے گی جس میں تجھے کسی دشمن کا بھی خوف وخطرہ نہ ہوگا۔ تو غور کر کے اللہ تعالیٰ نے تجھے کفر کی حالت میں اتنا بڑا ملک دے رکھا ہے ار جب تو ایمان لائے گا تو دیکھنا کہ تجھے کتنی بڑی سلطنت حاصل ہوتی ہے۔

فرعون نے کہا، اے موسیٰ! جلدی سے بتا کہ وہ چوتھی بات کیا ہے کیونکہ میرا صبر کا پیمانہ لبریز ہوا جا رہا ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا ایمان لانے پر چوتھی چیز جو تجھے ملے گی وہ یہ ہے کہ بقیہ عمر میں بھی نوجوان رہے گا اور کبھی بڑھاپا تیرے نزدیک نہیں آئے گا۔ فرعون نے نصیحتیں سننے کے بعد کہا بے شک آپ نے بڑی اچھی باتیں کی ہیں مگر جب تک میں اپنی بیوی سے مشورہ نہ کرلوں اس وقت تک آپ کو میں کوئی جواب نہیں دے سکتا۔ اس کے بعد فرعون نے اپنی بیوی حضرت آسیہ سے یہ سب باتیں کیں۔ حضرت آسیہ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰؑ کی نصیحتوں پر عمل کرلو بلکہ تجھے تو یہ باتیں سن کر فوراً ہی ایمان لے آنا چاہیے تھا اب جس طرح حضرت موسیٰؑ فرمائیں تجھے وہی کچھ کرنا چاہیے اور تجھے ہرگز کسی بدگمانی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ تو اب تک ٹیڑھی چال چلتا رہا ہے اور گناہوں مین سربلندی حاصل کرتا رہا ہے تجھے تو اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اب تک کے گناہ تیری رسوائی کا باعث نہیں ہوئے مجھے تو اس بات پر حیرت ہو رہی ہے کہ اس قدر کفر میں مبتلا ہونے کے باوجود اس کا کرم تجھے کیونکر پر حیرت ہو رہی ہے کہ اس قدر کفر میں مبتلا ہونے کے باوجود اس کا کرم تجھے کیونکر قبول کر رہا ہے جو سعادت مندی تجھے قوت بازو سے حاصل نہیں ہو سکتی وہ چار باتیں تجھے ایمان لانے سے حاصل ہو جائیں گی۔

حضرت آسیہ کی باتیں سن کر فرعون نے کہا کہ میں اس معاملہ میں ہامان وزیر سے

مشورہ کرلوں گا چنانچہ فرعون نے وہ سب وعدے جو حضرت موسیٰ نے ایمان لانے پر اس کے ساتھ کیے تھے وہ سب ہامان وزیر سے کہہ دیے۔ ہامان ان کو سن کر ایک دم اپنی جگہ سے اچھلا اور اپنا گریبان چاک کرلیا۔ اپنی ٹوپی اور عمامہ کو زمین پر پٹختے ہوئے بولا کہ موسیٰ کو یہ جرات کیسے ہوئی کہ تجھ جیسے بادشاہ سے وہ ایسی باتیں کرے۔ پھر ہامان نے فرعون سے کہا ہے کہ تو نے تمام دنیا کو اپنا تابع فرمان بنالیا ہے اور سلطنت کے معاملات کو سونے کی طرح چمکدار کر دیا ہے مشرق ومغرب سے بادشاہ تیرے در کی خاک چاٹنا فخر سمجھتے ہیں مخالف لشکر ہمارے لشکر کو دیکھ کر بھاگ اٹھتا ہے تو اب تو معبود بنا ہوا ہے۔ لوگ تجھے سجدے کرتے ہیں اب تو غلاموں کا غلام بنے گا ایسی زندگی سے تو آگ میں جانا بہتر ہے۔ اے بادشاہ! تو ایسا کر کہ حضرت موسیٰؑ پر ایمان لانے سے پہلے مجھے قتل کر دے تاکہ یہ رسوائی اور ذلت میری آنکھیں نہ دیکھیں۔ ایسا تو ہرگز کبھی نہ ہوا ہے کہ بادشاہ غلام اور غلام بادشاہ بن جائے۔ اس حالت سے دوست رنجیدہ ہوں گے اور دشمن خوشیاں منائیں گے اور ہمارا عیش و عشرت خاک میں مل جائے گا۔ غرضیکہ فرعون نے ہامان وزیر سے مشورہ کیا اور اس بد بخت نے اس کی ہدایت کی راہ مسدود کر دی۔ قریب تھا کہ وہ ہدایت حاصل کر لیتا مگر ہامان اس کی بربادی کا سبب بن گیا ہامان ملعون کی باتیں فرعون کے دل میں گھر کر گئیں۔ حضرت موسیٰؑ نے فرعون سے فرمایا کہ ہم تو تجھے ابدی سلطنت دینا چاہتے تھے مگر وہ تیرے مقدر میں نہیں تھی اے فرعون! اگر تجھ میں عقل ہے تو میں نے دین کی راہ دکھا کر تجھ پر مہربانیاں کی ہیں اور اگر تو گدھا ہے تو تیرے لیے میری یہ لاٹھی ہے اس دنیا میں انسان اور حیوان تجھ سے مصیبت میں ہیں۔ یہ میری لاٹھی ہے۔ اس دنیا میں انسان اور حیوان تجھ سے مصیبت میں ہیں۔ یہ میری لاٹھی بے ادبوں کو ادب سکھانے کے لیے ہے۔ پھر فرمایا، کفر کو چھوڑ کر دین احق اختیار کر لے ورنہ دوزخ میں بری حالت میں رہے گا۔

غرضیکہ فرعون نے حضرت موسیٰ کی نصیحت پر عمل نہ کیا اور ہمیشہ کے لیے دوزخ کے گڑھوں میں چلا گیا۔ اس واقعہ سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ دنیا کی عارضی عیش و عشرت کے مقابلے میں آخرت کی ابدی زندگی میں راحت حاصل کرنے کی غرض سے صراط مستقیم کو اپنانا چاہیے اور برائی کے راستے پر ہرگز نہیں چلنا چاہیے کیونکہ فرعون لعین نے آخرت کی ابدی نعمتوں کو ٹھکراتے ہوئے فانی دنیا کی عارضی نعمتوں کو ترجیح دی اور ایمان قبول نہ کیا اور ہمیشہ کے لیے دوزخ کا نوالہ بن گیا۔

گستاخ مرید

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک رات عالم بے خودی میں کہہ دیا دلا الہ الا انا فاعبدون یعنی خدا میں ہوں میری پرستش کرو۔ صبح جو اٹھے تو مریدوں نے عرض کیا حضرت! رات آپ نے یہ کلمہ منہ سے نکالا۔ آپ نے فرمایا اگر مجھے پھر یہ کہتا سنو تو فوراً چھریاں لیکر مجھے پارہ پارہ کر دو۔ اللہ تعالیٰ تو جسم سے پاک ہے اور میں جسم رکھتا ہوں۔ اگر میں انی اللہ کہوں تو مجھے قتل کر ڈالو۔ چنانچہ ایک دفعہ پھر بایزید رحمتہ اللہ علیہ پر وہی حالت وارہ ہوگئی۔ عشق نے غلبہ کیا تو عقل گم ہوگئی۔ صبح آئی تو شمع کی ہستی مٹ گئی عقل کا تھانیدار عشق کے بادشاہ کے سامنے کہاں ٹھہر سکتا ہے۔ عقل کا سایہ آفتاب حق کے سامنے کہاں قائم رہ سکتا ہے۔ آدمی پر جب پری سایہ ہو جاتا ہے تو اس سے آدمیوں کا وصف گم ہو جاتا ہے اب جو وہ کہتا ہے پری نے کہا ہوتا ہے جب وہ ہوش میں آتا ہے تو نہیں بتا سکتا کہ اس کے منہ سے کیا باتیں نکلتی رہیں۔ پس وہ خدا جو جن وانس کا خالق ہے جس پر اپنا جلوہ ڈال دے وہ پری کے اثر سے کم متاثر نہیں ہو سکتا۔

یہ سن کر مرید دیوانہ وار جھپٹے اور لگے آپ کے پاک جسم میں چھریاں مارنے۔ مگر آپ کے جسم کے جس مقام پر کوئی چھری چلاتا اس کے جس کا وہی حصہ کٹ جاتا۔ شیخ کے سارے جسم پر کچھ اثر نہ ہوتا۔ جس نے گلے پر خنجر چلایا اس کا گلا کٹ گیا۔ جس نے سینہ پر چھری کا وار کیا چھری اس کے سینہ سے پار ہوگئی۔ الغرض سب حملہ آور مرید اپنے ہاتھوں مارے گئے۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے فرش ان کے خون سے سرخ ہو گیا۔

صبح ہوئی تو مقتولین کے متعلقین نالہ وزاری کرتے ہوئے شیخ کے گرد آ کر جمع ہوئے۔ اوران کے شاگردوں کی بے وقوفی پر افسوس کرنے لگے اور کہنے لگے کہ اگر شیخ رحمتہ اللہ علیہ کا جسم ان لوگوں کے جسموں کی طرح ہوتا تو کٹاریوں سے کٹ جاتا۔

یعنی جو شخص فنافی اللہ بزرگوں پر حملہ کرتا ہے ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ گستاخ خود ہی ہلاک ہو جاتا ہے۔ آئینہ کے سامنے تلوار کھینچ کر رکھو تو ثابت ہو جائے گا کہ تم آئینہ پر نہیں بلکہ اپنے آپ پر تلوار مار رہے ہو۔ بزرگان دین رونما شیشے کی طرح ہیں جس کو وہ اچھے نظر آتے ہیں وہ خود اچھا ہے اور جس کو وہ برے نظر آتے ہیں وہ خود برا ہے۔ ان کے جسم صافی میں اسے اپنی مکروہ بھونڈی صورت دکھائی دیتی ہے۔

دو بیلوں کی کہانی

کسی جنگل میں دو بیل رہتے تھے ان کی آپس میں بڑی دوستی تھی ہر مشکل کا اکٹھے ہو کر مقابلہ کرتے تھے ان کے آپس کے اتفاق کی وجہ سے کسی دشمن کو یہ جرات نہیں ہوتی تھی کہ ان کیسامنے آئے جنگل میں رہنے والے شیر نے متعدد دفعہ ان پر حملہ کیا لیکن دونوں بیل اکٹھے ہو کر اس کا مقابے پر ڈٹ جاتے اور اپنے سینگوں سے اس قدر زبر دست وار کرتے کہ شیر بھاگ اٹھتا شیر ہر بار نا کام رہتا تھا اور اپنی کوشش میں کبھی کامیاب نہ ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ کا زکر ہے کہ شیر نے سوچا کوئی ایسی تدبیر کرنی چاہیے جس سے بیل آسانی سے ہاتھ آ جائیں اور میں اپنی کوشش میں کامیاب ہو جاؤں کیونکہ طاقت کے بل بوتے پر تو یہ بیل قابو میں آنے سے رہے اس لئے اب حکمت عملی سے ہی کام لینا چاہیے۔ اس کے دل میں یہ تدبیر پیدا ہوئی کہ اگر ان بیلوں میں نا اتفاقی پیدا ہو جائے اور دونوں ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑ دیں تو پھر ضرور میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتا ہوں۔ چنانچہ ایک دن موقع دیکھ کر شیر انتہائی چالاکی سے چلتا ہوا ایک بیل کے پاس آیا اور کہنے لگا، اے دوست! میری تو تمہارے ساتھ کوئی دشمنی نہیں ہے۔ البتہ یہ جو تمہارا ساتھی ہے مجھے ایک آنکھ نہ بھاتا ہے میں نے تو تم پر کبھی حملہ نہیں کیا جب بھی حملہ کیا اسی پر کیا ہے لیکن تم خواہ مخواہ اس کے ساتھ مل کر اپنی جان کا خطرہ مول لے لیتے ہو۔ تم میری بات کا یقین کرو میں قسم کھا کر کہتا ہوں میری تمہارے ساتھ کوئی عداوت نہیں ہے تم جس طرح مرضی جنگل میں رہو۔ کھاؤ پیو عیش کرو مجھے تو خوشی ہوگی۔ تمہیں دیکھ کر لیکن تمہارے ساتھی بیل سے مجھے بڑی چڑ ہے۔ اسے تو میں بالکل نہیں چھوڑوں گا تو اکیلے ہی بڑے بہادر ہو آج تک صرف تمہارے وجہ سے وہ بچتا رہا ہے ورنہ وہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔

بیل شیر کے منہ سے اپنی تعریف سن کر پھولے نہ سمایا اور اس کے فریب

میں آ گیا۔شیر نے اس سے وعدہ لے لیا کہ وہ آئندہ کبھی بھی اپنے ساتھی کی مدد نہیں کرے گا۔چنانچہ شیر نے حکمت عملی سے کام لے کران کے درمیان نا اتفاقی پیدا کر دی۔اگلے دن شیر نے موقع پر غنیمت جانا اور دوسرے بیل پر حملہ کر دیا۔بیل نے مقابلہ کرنے کی کوشش کی اس کا ساتھی بیل چپکے سے سب کچھ دیکھتا رہا اور اپنے ساتھی کی کوئی مدد نہ کی شیر نے بڑے آرام سے اسے چیر پھاڑ کرر کھ دیا اسے کھا گیا۔ دوسرے دن شیر نے اس تنہا رہ جانے والے بیل پر حملہ کر دیا بیل نے بڑے ہاتھ پاؤں مارے مگر وہ اکیلا کیا کر سکتا تھا ہمت ہار بیٹھا شیر نے اسے بھی چیر پھاڑ کرر کھ دیا اور کھا گیا۔اس طرح شیر دونوں میں نا اتفاقی ڈال کر اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔اور باری باری دونوں کا صفایا کر کے رکھ دیا۔

خونخوار گروہ

ترکوں کا ایک خونخوار گروہ لوٹ مار کرتا ہوا ایک گاؤں میں داخل ہوا۔ وہاں انہوں نے دو آدمیوں کو پکڑ لیا۔ ایک کے ہاتھ باندھ کر اسے قتل کرنے لگے۔ اس نے پوچھا صاحبو! مجھے آپ کس لئے قتل کرتے ہیں۔ میں نے آپ کا کیا بگاڑا ہے۔ آپ میرے خون کے پیاسے کیوں ہیں؟ میں ایک درویش آدمی ہوں۔ تن پر کپڑا نہیں پلے پیسہ نہیں مجھے مارنے سے آپ کو کیا حاصل ہوگا؟ انہوں نے جواب دیا ہم تجھے اس لئے قتل کرتے ہیں تاکہ تیرا ساتھی ہیبت زدہ ہو کر مال نکال دے اس نے یہ سن کر کہا کہ میرا ساتھی تو مجھ سے زیادہ مسکین ہے۔ وہ روپیہ کہاں سے نکالے گا۔ ترکوں نے کہا کہ ہمیں مخبر نے اطلاع دی ہے کہ وہ مالدار ہے وہ مشکیں کسا ہوا شخص بولا ہم دونوں نے ایک جیسے ہیں۔ اگر وہ مالدار ہے تو میں بھی مالدار ہوں۔ آپ کے نزدیک ہم دونوں احتمال اور شک کے مقام پر ہیں۔ اس لئے مناسب ہے کہ اس مخبر کو ہمارے سامنے قتل کردو۔ تاکہ ہم دونوں خوفزدہ ہو کر مال پیش کردیں۔

مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ اے امت محمدیہ اللہ کے کرم کا شکر کر کہ اس نے تجھے آخری امت بنایا ہے۔ تیرے سامنے حضرت نوحؑ اور ہودؑ کی قوم کی ہلاکت کی عبرت خیز تاریخ موجود ہے تو اس سے عبرت حاصل کر اور ان گناہوں سے باز آجو ان اقوام کی تباہی کا موجب بنے۔

لاعلاج مرض

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت عیسیٰ پہاڑ کی طرف بھاگے جا رہے تھے یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کوئی شیر ان کے خون کے درپے ہے ایک شخص ان کے پیچھے دوڑا اور بھاگنے کا سبب پوچھنے لگا اور کہا، خیریت تو ہے آپ کے پیچھے تو کوئی نہیں ہے جو آپ اس قدر تیز دوڑ رہے ہیں چونکہ حضرت عیسیٰ اس قدر تیز بھاگ رہے تھے کہ اس کو جواب نہ دے سکے اس شخص نے بھاگ کر اور ان کے قریب ہو کر کہا، خدا کے لیے تھوڑی دیر کے لیے رک جائیں اور میری بات کا جواب دیں۔ کیونکہ آپ کے بھاگنے سے میں سخت تشویش میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ آپ کے پیچھے نہ تو کوئی شیر ہے اور نہ ہی آپ کو کسی دشمن کا ڈر ہے جو آپ بھاگ رہے ہیں۔

حضرت عیسیٰ نے فرمایا میں ایک بے وقوف سے بھاگ رہا ہوں تو مجھے نہ روک۔ اس شخص نے کہا آپ کے دم کرنے سے تو اندھے بہرے اچھے ہو جاتے ہیں آپ بے وقوف کی حماقت سے اس قدر خوف زدہ کیوں ہیں؟ حضرت عیسیٰ نے فرمایا۔ کہ تیری بات درست ہے۔ پیچھے بھاگنے والے نے کہا آپ تو وہ مسیحا ہیں جن کو اسم اعظم آتا ہے اور جب آپ مردے پر پڑھتے ہیں تو وہ فوراً زندہ ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں میں وہی ہوں جو تو کہتا ہے اس پر اس شخص نے کہا آپ تو مٹی سے پرندہ بنا کر ہوا میں اڑا دیتے ہیں اس میں پھونک مار دیتے ہیں تو وہ اڑنے لگتا ہے۔ آپ نے اقرار کیا تو اس نے پھر کہا، جب آپ کے اس طرح کے عظیم معجزے ہیں تو پھر آپ کو کس بات کا خوف ہے۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا۔ بے شک اسم اعظم کا یہ اثر ہے کہ اس سے اندھے بہرے ٹھیک ہو جاتے ہیں پہاڑ اس کی عظمت وہ ہیبت سے پھٹ جاتے ہیں اسم اعظم مردے پر پڑھا جائے تو وہ زندہ ہو جاتا ہے اسم اعظم پڑھنے سے معدوم موجود ہو جاتا ہے لیکن بے وقوف پر اسم اعظم پڑھنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوا بلکہ الٹا اثر ہوا کہ وہ مزید سخت ہو گیا۔

اس سوال کرنے والے نے کہا کہ اس میں کیا راز اور حکمت پوشیدہ ہے کہ بیوقوف پر اسم اعظم بھی اثر نہیں کرتا۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا کہ بے وقوفی عذاب الٰہی ہے اور اندھا پن ایک آزمائش ہے اور آزمائش میں جو مبتلا ہوتا ہے اس پر رحم کیا جاتا ہے۔ جبکہ احمق پر جوتے برسائے جاتے ہیں یعنی بے وقوف کی حماقت پر ہر شخص کو غصہ آتا ہے حماقت کا اثر اللہ تعالیٰ کی ایک مہر ہے جس پر کوئی تدبیر موثر نہیں ہوتی۔

اس حکایت سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ بے وقوف چاہے کتنا ہی ذہین ہو اس کو احمق سمجھو اور اس سے اس طرح بھاگو جس طرح ہرن شیر سے بھاگتا ہے حماقت کا مرض عذاب الٰہی اور لاعلاج ہے۔

خوف کو دل سے دور کرو

حضرت عمرؓ جب خلیفہ تھے تو آپؓ کی خدمت میں قیصر روم کا ایلچی آیا۔ وہ سارے شہر میں تلاش کرتا پھرا کہ کہیں کوئی اونچا محل نظر آئے اور وہ خلیفہ سے ملاقات کرے۔ مگر اسے مدینہ میں کوئی محل دکھائی نہ دیا۔ لوگوں سے پوچھا تو جواب ملا کہ مسلمانوں کے خلیفہ اور عام غریبوں کے گھر میں کچھ فرق نظر نہ آئے گا۔ یہ سن کر قاصد کا شوق ملاقات اور بڑھا۔ اور وہ ہر طرف تلاش کرنے لگا۔ وہ تعجب کرتا تھا کہ اس قدر نامور خلیفہ ہو اور اس کا محل نہ ہو۔ شہر میں یوں چھپا رہے۔ آخر ایک بڑھیا نے کہا عمرؓ مخفی نہیں عیاں ہے۔ وہ دیکھوں کھجور کے درخت تلے بیٹھا ہے۔

قاصد آگے بڑھا۔ جونہی چہرے پر نظر ڈالی اس کے پاؤں لڑکھڑا گئے۔ دل پر مسلمانوں کے خلیفہ کا رعب طاری ہوا۔ وہ حیران تھا کہ الٰہی یہ کیا حال ہے۔ میں قیصر و کسریٰ کے عالیشان دربار دیکھے ہیں۔ بیسیوں لڑائیاں لڑی ہیں۔ مگر کبھی چہرے کا رنگ نہ بدلا اور نہ کبھی اس طرح کانپنے لگا۔ بیشک اس شخص میں کوئی خاص بات ہے۔

مولانا رومؒ مثنوی میں فرماتے ہیں کہ جس کے دل میں خدا کا خوف ہو۔ اور حق کے سوا کسی سے نہ ڈرے۔ اس سے سب خوف کھاتے ہیں۔

الغرض تھوڑی دیر بعد حضرت عمرؓ بیدار ہوئے۔ ایلچی نے سلام کیا۔ حضرت عمرؓ نے سلام کا جواب دیا۔ فرمایا۔

''آگے آجاؤ۔ اور خوف کو دل سے دور کرو۔''

مولانا رومؒ مثنوی میں فرماتے ہیں کہ قاصد کو خدا ترس پا کر حضرت عمرؓ نے اسے فیض باطنی سے مالا مال کر دیا۔

شیر خوار بچے

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک عورت اپنا دو ماہ کا بچہ کندھے سے لگائے حضور نبی کریم ﷺ کے پاس سے گذری یہ عورت حضور سرور کائنات ﷺ کو ایذا پہنچانے میں ہمیشہ پیش پیش رہتی تھی بچے کی نگاہیں حضور ﷺ پر پڑیں تو وہ کہنے لگا۔

السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ

السلام علیک یا محمد بن عبد اللہ ﷺ

حضور نبی کریم ﷺ نے اس بچے کے سلام کا جواب دیا عورت نے اپنے بچے کو اس طرح بولتا ہو دیکھا تو بڑی حیران ہوئی اور حیرت سے بولی کہ تجھے کس نے بات کرنا سکھایا ہے اور تجھے یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں؟ بچے نے جواب دیا یہ معرف مجھے اللہ تعالیٰ نے دی ہے اور اللہ کے فرشتے جبریلؑ نے مجھ سے یہ سب کچھ کہلوایا ہے۔ یہ سنکر حضور ﷺ نے بچھے سے انا کا نام پوچھا تو اس نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ! میری ماں نے میرا نام عبد العزی (بت کا نام) رکاھ ہے لیکن میں عزی سے سخت نفرت کرتا ہوں آپ میرا نام تجویز فرما دیں حضور اکرم ﷺ نے اس کا نام عبد العزیز رکھا بچے کی ماں نے اپنی گود میں یہ معجزہ دیکھا تو کہا رسول اللہ ﷺ! اس معجزہ کے بعد آپ کی بنوت کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ چنانچہ اس عورت نے کلمہ شہادت پڑھا اور اسلام قبول کرلیا۔

اچھا مشورہ

ایک دانا پر آدمی ایک دفعہ ناگہاں مصیبت آپڑی۔ اس سے بچنے کے لیے اس نے بہت سے حیلے بہانے سوچے مگر کوئی کرگر حیلہ نہ سوجھا اور چھٹکارے کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ ناچار وہ ایک شخص کے پاس گیا۔ اور اس سے پوچھا کہ مصیبت کیوقت اس سے بچنے کی کوئی ترکیب بتاؤ اس نے جواب دیا تم بھی عجیب سادہ لوح۔ کیا تمہیں پتہ نہیں کہ میں تیرا دشمنہوں۔ اور تو اپنا بھید مجھے بتاتا ہتے۔ جا اور کسی ایسے شخص مشورہ کر جو تیرا دوست ہو اور نیک صلاح دے۔

مصیبت زدہ نے کہا کہ میں جانتا ہوں تو میرا دشمن ہے مگر افسوس مجھے کوئی عقل مند دوست نہیں ملتا مجھے یقین ہے تو جو مشورہ دے گا وہ مفید ہو گا۔ اگر تیرا نفس مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا تو تیر عقل اس پر غالب آجائیگی۔

حضرت رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ مستشار (صلاح دینے والا) کو موئمن (امانت دار) ہونا چاہیے۔ اگر دشمن بھی آ کر صلاح لے تو چاہیے کہ صلاح نیک ہی دے۔

حضرت موسیٰؑ کی دعا

جب حضرت موسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عام تبلیغ کا حکم ملا اور فرعونیوں نے نافرمانی کی تو دریائے نیل خون بن کر بہنے لگا اور پھر جب قبطیوں کی حالت تباہ ہونے لگی تو فرعون بذات خود حضرت موسیٰؑ کے پاس آیا اور خوشامد کرنے لگا وہ تعظیم میں دوہرا ہوتا جارہا تھا اس نے کہا، اے موسیٰؑ! ہم نے جو کیا وہ برا تھا آپ برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیجیے ہمارا منہ اس قابل تو نہیں کہ آپ سے دعا التجا کریں۔ اے موسیٰ! میں نے اپنے جسم کے ہر حصہ کو تیرا فرمانبردار بنادیا ہے مگر میں عزت کا عادی ہوں میری سخت پکڑ نہ کیجئے دعا فرمائیں تاکہ ہم پر سے عذاب خداوندی ٹل جائے۔ حضرت موسیٰؑ نے بارگاہ خداوندی سے رجوع کرتے ہوئے فرمایا، اے اللہ! یہ فرعون تیرے اس بندے کو دھوکہ وفریب دے رہا ہے اب بتا کہ میں اس کا کہنا مان لوں یا میں بھی اس کو کوئی دھوکہ دے دوں تاکہ یہ اچھی طرح سے سمجھ لے کہ اصل میں ہر سبب کی جڑ اللہ تعالیٰ ہے۔ ہر مکروتدبیر کی اصل اللہ تعالیٰ ہے جو اسباب دنیاوی ہیں ان کی اصل بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ارشاد خداوندی ہوا۔ اے موسیٰؑ یہ فرعون اس قابل نہیں ہے کہ اس کے فریب کا جواب فریب سے دیا جائے آپ اس کتے کو ہڈی ڈال دیجئے اور آپ اپنا عصا ہلا دیجئے زمین وہ تمام پیداوار اگل دے گی جو ٹڈیوں نے کھائی ہے آپ کے عصا کے اثر سے ٹڈیاں بھی ہلاک ہو جائیں گی اور سب لوگ دیکھ لیں گے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کے بدلنے کی کس قدر ضرورت ہے اور اللہ تعالیٰ کو اس مقصد کے لیے کسی اسباب کی ضرورت نہیں۔

چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے وہی کیا جس کا ان کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا یعنی دعا کر دی اس سے زمین پر فصلیں اگ آئیں اور قحط کی صورت ختم ہو گئی وہ فرعونی جو قحط میں مبتلا تھے وہ لذیذ غذائیں کھانے لگ گئے ان فرعونیوں کا پیٹ بھرا تو وہ پھر سرکش بن گئے اور حضرت موسیٰؑ پر ایمان نہ لائے۔ اس واقعہ سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ انسان

کا نفس بھی فرعون کی مانند ہے کہ جب اس کا پیٹ بھرا وہ سرکش بن جاتا ہے اور بھوک کی حالت میں وہ فرعون کی طرح خوشامد کرنے لگتا ہے اس واقعہ سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ انسان ہر حال میں صراط مستقیم پر چلنا چاہیے اور کبھی بھی برائی کے راستے پر گامزن نہیں ہونا چاہیے۔ جب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں میسر آ جائیں تو پہلے سے بھی زیادہ اللہ تعالیٰ کا شکر گذار بندہ بن کر رہنا چاہیے۔



لاجواب کر دیا

ابن سیان کے ایک راوی صادق بیان کرتے ہیں کہ ابن سینا نے بتایا کہ میں ابن سینا کبھی قائل نہیں ہوا۔ مگر ایک خاکروب مجھے لاجواب کر دیا۔ واقعہ یوں ہے کہ میں ایک صبح سیر کو جا رہا تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بھنگی کوڑی پر سے گندگی دھو رہا ہے۔ اور بڑے شوق سے اس مضمون کے شعر پڑھ رہا ہے۔

جھانک مت اے نفس ذلت کی طرح

جی اگر جینا ہے باعزوشرف

تجھ کو آلودہ و نات سے کبھی

ہونے میں دونگا نہیں تا زندگی

میں یہ شعر اس سے سن کر بڑا متعجب ہوا۔ کہ یہ شخص کام کیا کر رہا ہے اور کہہ کیا رہا ہے۔

غلاظت دھونا اور دعوی شرافت کرنا عجب حماقت ہے۔ مجھ سے رہا نہ گیا۔ چنانچہ میں نے اسے کہہ ہی دیا کہ اپنا کام دیکھ اور سوچ کہ تو اس دعویٰ میں کہاں تک حق بجانب ہے۔ بھنگی یہ سن کر بولا۔ اے ابن سینا! آپ کو زیب نہیں دیتا کہ آپ اسطرح بات کریں۔ اتنے بڑے فاضل عاقل کامل فلسفی اور ادیب ہر کر آپ بادشاہوں کے حضور قصور واروں کی طرح ہاتھ باندھ کر کھڑے رہتے ہو۔ اور کچھ غیرت اور شرم محسوس نہیں کرتے۔ آہ! آپ نے اپنے علم و ہنر کو دھبہ لگا دیا۔ اور شرافت کی لٹیا ڈبو دی۔ اگر خودداری رکھتے تو بادشاہ اور وزیر خود آپ کے پاس کھنچے چلے آتے۔ دیکھو! میں کسی کا غلام نہیں۔ اپنی نیند سوتا ہوں۔ اور اپنی نیند اٹھتا ہوں۔ شریف وہی ہے جو اپنے دست بازو سے کما کر کھائے۔ اور کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلائے۔ مزدوری کا کام خواہ کیسا ہی کیوں نہ ہو دنائیت کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ شرافت انسان کی ذات میں ہے۔ کام میں نہیں۔ انسان کو ایسا وطیرہ اختیار کرنا چا

بیچے۔ جس سے لوگوں کی نظروں میں خوار نہ ہو۔ خاکروبی ذلیل پیشہ سمجھا گاے۔ حالانکہ نوکری اس سے زلیل تر ذلت ہے اور گدائی سب سے زیادہ اے ابن سینا! افسوس آپ کو ابھی تک عزت و ذلت میں تمیز نہیں۔ یہ سن کر میں لاجواب ہو گیا اور میرے پاؤں شرم کے مارے زمین میں گڑ گئے۔ اس آزاد کناس (حلال خوف) نے جو کہا اس کی تردید میں کسی خوشامدی اور غلام کو لب کشائی کی جرات نہیں ہو سکتی۔

محنت مزدوری نوکری اور دریوزہ گری سے بدرجہا بہتر ہے۔

لاعلاج مرض

پرانے وقتوں کی بات ہے کہ ایک استاد اپنے شاگردوں کو بڑی محنت سے پڑھاتا تھا۔استاد کی اس محنت شاقہ کی وجہ سے مدرسے کے بچے ہر وقت پڑھنے میں ہی مصروف رہتے تھےایک دن بچوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ چونکہ استاد ہر وقت ہمیں پڑھاتا رہتا ہے جس کی وجہ سے بعض اوقات ہمیں بڑی تھکاوٹ اور الجھن ہوتی ہے وہ ذرا بھی ہمیں فارغ نہیں چھوڑتا اس لیے کوئی ایسی تدبیر کرنی چاہیے جس سے استاد کسی پریشانی میں مبتلا ہو جائے اور چند روز کے لیے ہمیں خلاصی ہو جائے ایک بچہ کہنے لگا کہ ہمارا استاد تو کبھی بیمار بھی نہیں ہوا کہ چند دن تک ہم اس کے شکنجے سے چھوٹے رہیں۔وہ تو ایک سخت پتھر کی طرح ہمارے سروں پر جما ہوا ہے۔ نہ خود فارغ بیٹھتا ہے اور نہ ہمیں فارغ بیٹھنے دیتا ہے۔ایک لڑکا ان میں سے سب سے زیادہ ذہین تھا وہ کہنے لگا کہ ایک تدبیر میرے ذہن میں آئی ہے وہ یہ کہ جب استاد آئے گا تو میں اس سے کہوں گا، اے استاد آپ کے چہرے کی رنگت زرد کیوں ہے؟ خدا خیر کرے آپ کی طبیعت ٹھیک معلوم نہیں ہوتی معلوم ہوتا ہے آپ کو اندرونی طور پر کوئی مرض ہے۔وہ لڑکا کہنے لگا، اس سے استاد تھوڑا سا وہم میں پڑ جائے گا اور جب ہمیں پڑھانے لگے گا تو تم میں سے ہر کوئی باری باری اسی طرح استاد کو وہم میں ڈال دینا اور کہنا، استاد جی! اللہ خیر کرے آپ کی طبیعت ٹھیک معلوم نہیں ہوتی۔اس سے استاد کا وہم تھوڑا سا اور بڑھے گا جب اس بات کو بیس پچیس بچے بار بار کہیں گے تو استاد کے دل مین وہم اپنی جگہ لے گا اور وہم ایک چیز ہے جس کی وجہ سے عقل مند بھی پاگل ہو جایا کرتا ہے۔

سب بچوں نے اس تجویز پر اتفاق کیا اور اس ذہین لڑکے کو شاباش دینے لگے کہ کیسی عمدہ ترکیب تم نے بتائی ہے۔اس کے بعد سب بچوں نے آپس میں عہد کیا ایسا ہی کریں گے پھر ذہین لڑکے نے سب بچوں کو قسم دی تا کہ کوئی بچہ چغلی کرتے

ہوئے استاد کو ٹھیک بات نہ بتا دے۔ چنانچہ جب اگلا دن ہوا تو سب بچے پڑھنے کی غرض سے مدرسے کی طرف روانہ ہوئے اور منصوبہ کے مطابق مدرسے کے باہر جا کر کھڑے ہو گئے تا کہ وہ چالاک لڑکا سب سے پہلے اندر داخل ہو اور استاد کو وہم میں ڈالے اس کے بعد باقی لڑکے باری باری داخل ہوں۔ چنانچہ چالاک لڑکا مدرسے میں داخل ہوا اور استاد کو سلام کیا پھر استاد کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے ہمدردانہ انداز میں کہنے لگا، استاد جی! اللہ خیر کرے آپ کے چہرے کی رنگت بری زرد ہو رہی ہے۔ استاد نے اس کی بات کا کوئی نوٹس نہ لیا اور اسے جھاڑتے ہوئے بولا مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے میں بالکل ٹھیک ہوں تو بیٹھ جا اور خبردار بک بک نہ کر۔ چالاک لڑکے نے وہم کا تیر چلا دیا تھا اس لیے چپ ہو کر بیٹھ گیا۔

اب آہستہ آہستہ مدرسے کے دوسرے بچے بھی آنا شروع ہو گئے جو بھی آتا استاد کو اسی طرح کہتا چنانچہ استاد کے دل مین رفتہ رفتہ وہم نے جگہ پکڑی اور استاد اپنی صحت کے معاملے میں شک وشبہ میں پڑ گیا اسے یقین ہو گیا کہ ضرور کوئی نہ کوئی بات ہے جو سب لڑکوں کو محسوس ہوئی ہے۔ جب وہم استاد کے دل میں گھر کر گیا تو اس نے اپنے آپ میں سستی محسوس کرنا شروع کر دی اور ڈر کے مارے اٹھا کہ نہ جانے کس مرض کا شکار ہو گیا ہوں کہ چہرے کی رنگت ہی بدل گئی ہے اپنی چادر کھینچی اور اوڑھتے ہوئے دل میں کیا کہ میری بیوی کو میرا کچھ خیال ہی نہیں۔ اسے اپنی بیوی پر بڑا غصہ آیا کہنے لگا، کم بخت کو مجھ سے محبت بالکل نہیں ہے مجھے آگاہ نہیں کیا وہ تو چاہتی ہی ہے کہ میں مروں اور وہ خلاصی پائے۔ استاد غصے کی حالت میں گھر کی طرف چلا اور ٹھوکر مار کر گھر کا دروازہ کھولا۔ بچے بھی استاد کے پیچھے پیچھے چپکے سے چلے آرہے تھے کہ دیکھیں معاملہ کہاں تک پہنچا ہے۔

بیوی نے جو اپنے خاوند کو اس قدر غصے کی حالت میں دیکھا تو بولی، اللہ خیر کرے آپ اس قدر جلدی سے گھر آ گئے ہیں اللہ نہ کرے آپ کی طبعت خراب ہو۔

طبیعت تو ٹھیک ہے ناں آپ کی؟ استاد غصے میں بھرا ہوا بولا۔ تو تو ہے ہی اندھی۔ میری رنگت اور میری حالت تو تجھے نظر ہی نہیں آتی میرے غم میں دوسرے رو رہے ہیں اور تجھے میری کوئی فکر نہیں ہے۔ بیوی کہنے لگی۔ اے میرے سرتاج! آپ کو کوئی بیماری نہیں ہے اچھی بھلی چہرے کی رنگت ہے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو کوئی وہم ہو گیا ہے بلاوجہ فکر میں مبتلا ہیں۔ استاد جی بولے، تجھے اب بھی یقین نہیں آ رہا دیکھتی نہیں کہ مجھ پر کپکپی طاری ہے اور تو کہہ رہی ہے میں وہم کا شکار ہوں اگر تو اندھی اور بہری ہو گئی ہے تو اس میں میرا کیا قصور ہے مجھے تو اپنی جان کی فکر کھائے جا رہی ہے۔

بیوی اس صورت حال سے بڑی پریشان ہوئی اور کہنے لگی اے میر سرتاج! آپ میری بات کا یقین کریں میں ابھی آئینہ لے کر آتی ہوں آپ خود اپنے چہرے کی رنگت دیکھ لیں تا کہ آپ کو پتہ چل جائے کہ میں ٹھیک کہہ رہی ہوں یا غلط استاد جی پوری طرح وہم میں مبتلا ہو چکے تھے بولے، جا جا بڑی آئی مجھے آئینہ دکھانے والی۔ جلدی سے میرا بستر بچھا دے تا کہ میں آرام کروں میرا سر بھاری ہو رہا ہے۔ بیوی نے بستر بچھانے میں ذرا سی دیر کی استاد چیخا اور کہنے لگا۔ اے میری جان کی دشمن! جلدی کر، مجھے نیند آ رہی ہے۔ بیوی نے نے چاری نے جلدی جلدی بستر بچھایا اور استاد لیٹ گیا اور ہائے ہائے کرنا شروع کر دیا۔

اس دوران بچے بھی اپنے استاد کی خیریت معلوم کرنے کے لیے گھر میں داخل ہو گئے۔ اور استاد نے بچوں کو دیکھا تو ان سے کہنے لگا، اپنی اپنی کتابیں نکالو اور پڑھو۔ بادل نخواستہ بچوں نے استاد کے کہنے پر عمل کیا اور پڑھنا شروع کر دیا آپس میں کہنے لگے کہ ہم نے اتنا کچھ کیا اور پڑھائی سے پھر بھی جان نہیں چھوٹی اس لیے اب کوئی دوسری تدبیر کرنی چاہیے کہ پڑھائی سے چند دنوں کے لیے آرام ملے۔ وہ چالاک بچہ پھر بولا اور دوسرے بچوں سے کہنے لگا تم سبق پڑھو لیکن ذرا بلند آواز سے پڑھو۔ چنانچہ جب بچوں نے بلند آواز سے سبق پڑھنا شروع کیا تو وہ کہنے لگا، اے بچو!

ہماری آواز سے استاد کو تکلیف ہوتی ہے، اس سے استاد کے سر درد میں اضافہ ہو جاتا ہے استاد نے یہ سنا تو کہا، ہاں ہاں، یہ ٹھیک کہہ رہا ہے جاؤ اٹھو یہاں سے میرے سر کا درد بڑھ گیا ہے جاؤ اور باہر چلے جاؤ۔

سب لڑکے بڑے خوش ہوئے اور کہنے لگے۔ استاد جی! اللہ تعالیٰ آپ کو اس مرض سے جلد نجات دے۔ پھر لڑکے استاد کی اجازت سے اپنے اپنے گھروں کو چل دیے ماؤں نے جو بچوں کو وقت سے پہلے گھر آتے دیکھا تو ناراض ہوئیں اور کہنے لگیں کہ یہ پڑھنے کا وقت ہے اور تم گھر آ گئے ہو یہ استاد سے کچھ حاصل کرنے کا وقت ہے اور تم کتاب اور استاد سے پیچھا چھڑا کر گھر بھاگ آئے ہو۔ لڑکے کہنے لگے، اس میں ہمارا کیا قصور ہے قضائے الٰہی سے ہمارا استاد بیماری میں مبتلا ہو گیا ہے۔ ماؤں نے کہا تم جھوٹ بولتے ہو۔ ہم صبح کو استاد کے پاس جائیں گی تا کہ اصل حقیقت معلوم ہو۔ بچوں نیکہا، سو بار جائیں تا کہ آپ کو ہمارے سچ اور جھوٹ کا پتہ چل جائے۔ چنانچہ صبح کو بچوں کی مائیں استاد کی مزاج پرسی لے لیے استاد کے گھر پہنچ گئیں استاد مریضوں کی طرح لیٹا پڑا تھا اور عورتوں کی طرح دردسر کی وجہ سے سر کو باندھ رکھا تھا۔ کبھی کبھی ہائے ہائے بھی کرتا تھا سب نے مزاج پرسی کی اور کہا، اے استاد محترم اللہ خیر کرے آپ کے دردسر کی ہمیں تو خبر نہیں تھی۔ استاد بولا، بے خبر تو میں بھی تھا میں پڑھنے پڑھانے میں مشغول تھا مجھے تو ان بچوں نے بتایا تو مجھے معلوم ہوا کہ واقعی اندرونی طور پر میں بیمار ہوں چونکہ یہ قاعدہ کہ جب انسان کسی کام میں ہر وقت مشغول ہوتا ہے تو اسے اپنی تکلیف دکھائی نہیں دیتی اور یہی کچھ میرے ساتھ بھی ہو امجھے تو اپنی بیماری کا علم ہی نہیں تھا اللہ بھلا کرے ان بچوں کا کہ جنہوں نے میرے چہرے کو دیکھ کر سب کچھ جان لیا۔ بچوں کی ماؤں نے استاد کی حالت دیکھ کر سمجھ لیا کہ استاد وہم کا شکار ہو گیا ہے اسے کوئی بیماری نہیں ہے۔ چنانچہ وہ استاد کو اپنے حال پر چھوڑ کر یہ کہتی ہوئی اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئیں کہ وہم کا علاج نہیں ہے۔

امتحان

مصر میں ایک ولی ذولنون نامی اپنے وقت کا قطب اور امام تھا۔ ان کے دل میں ایک دفعہ شور اٹھا۔ اپنا گریبان چاک کر دیا۔ عمامہ پھینک دیا۔ جبہ شق کر دیا۔ خرقہ اور تسبیح سے منہ موڑ لیا۔ اور مدرسہ وہ خانقاہ کو چھوڑ کر بازاروں میں شور کرنے لگا۔ ان کے شور سے لوگ تنگ آ گئے۔ حاکم وقت کے پاس جا کر شکایت کی۔ اس نے مجبورا قید کا حکم دیا۔ جب قید خانہ کی طرف لے چلے تو آپ کے شاگرد اور مرید روتے ہوئے پیچھے روانہ ہو لئے۔ وہ کہتے تھے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایسے کامل ولی پر جنوں کا غلبہ ہو۔ اس میں ضرور کچھ بھید ہے۔ خلقت آپ کے اوقات میں خلل انداز ہوئی تھی۔ آپ نے تکسوئی حاصل کرنے کے لیے یہ حیل کیا ہے۔

چند منہ چڑھے ادب کو بلائے طاق رکھ کر آگے بڑھے اور عرض کرنے لگے یا حضرت! ہم آپ کے صادق اور محبّ اور دوست ہیں۔ آپ کی ایسی حالت سے ہمارا دل کڑھتا ہے۔ فرمائیے اس میں کیا راز ہے۔ آپ نے سوچا کہ یہ لوگ بھید معلوم کر کے پھر مجھے پھنسانا چاہتے ہیں آؤ ان کی وفاداری اور محبت کو آزمائیں۔ آپ نے ایک ڈھیلا اٹھا کر اس زور سے ایک کے رسید کیا کہ وہ غش کھا کر گر پڑا۔ دو کی پیٹھ پر لاٹھی کسی جس کی ضرب سے اس کی جانکنی کی سی حالت ہوگئی تیسرے کی ران پر لات مر کر اسے گرا دیا یہ گت بندی دیکھ کر سب مرید بھاگ کھڑے ہوئے۔ حضرت ذولنون مصریؒ نے جب ان کو یوں بھاگتے دیکھا تو قہقہہ مار کر ہنسنے لگے اور فرمایا یہ ہیں تیرے فداکار یار۔ ان کی وفا اور الفت کے دعوے سن چکے۔ اب ان کی وحشت اور دغا بھی دیکھ لو۔

زر کی حقیقت آگ سے کھلتی ہے اور دوست کی مصیبت کے وقت

بڑھاپا

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ کسی شہر میں بڑا دانا اور قابل حکیم رہتا تھا دور دور تک اس کی شہرت کے چرچے تھے ایک دن ایک بوڑھا شخص حکیم کے پاس آیا اور آ کر اپنا مرض بتایا کہ حکیم صاحب! مجھے کمزوری دماغ کی شکایت ہے۔ حکیم صاحب بولے کہ بزرگوار! اس عارضے کی وجہ آپ کا بڑھاپا ہے۔ بوڑھے نے کہا، میری بینائی میں بھی ضعف ہے۔ حکیم صاحب کہنے لگے کہ بزرگوار! اس عارضے کی وجہ آپ کا بڑھاپا ہے۔ بوڑھے نے کہا، مجھے کمر درد کی بھی شکایت ہے۔ حکیم صاحب کہنے لگے۔ اس کی وجہ بھی بڑھاپا ہے۔ بوڑھے نے کہا میرا ہاضمہ بھی خراب ہے چورن کے بغیر کوئی بھی خوراک میں ہضم نہیں کر سکتا۔ حکیم صاحب کہنے لگے۔ اس کا باعث بھی بڑھاپا ہی ہے۔ بوڑھے نے کہا، ٹانگوں میں اتنی سکت نہیں کہ چند قدم چل سکوں تھک جاتا ہوں۔ حکیم صاحب بولے، یہ بھی بڑھاپے کی وجہ سے ہے۔ بوڑھے نے کہا، میری کمر بھی جھک گئی ہے۔ حکیم صاحب بولے یہ بھی بڑھاپے کی وجہ سے ہے۔

اب تو اس بوڑھے کو بہت ہی غصہ آیا اور غصے میں آپے سے باہر ہوتے ہوئے بولا، یہ تم نے کیا ایک ہی رٹ لگا رکھی ہے ہر بات کا ایک ہی جواب تمہیں کوئی اور وجہ دکھائی ہی نہیں دیتی بڑا قابل حکیم بنا پھرتا ہے آتا جاتا کچھ بھی نہیں مجھے تو پاگل اور بے وقوف دکھائی دیتا ہے۔ حکیم نے بوڑھے کو جو اس قدر تیخ پا دیکھا تو مسکراتے ہوئے کہا، بزرگوار! تمہاری اس وقت جو غصے کی حالت ہے اور جو اول فول کہہ رہے ہو اس کی وجہ بھی تمہارا بڑھاپا ہی ہے۔ کیونکہ بڑھاپا کی وجہ سے انسان کے اعضائے رئیسہ کمزور ہو جاتے ہیں اور صبر و برداشت کا مادہ کم ہو جاتا ہے۔

مشکل آسان ہوئی

شیخ احمد خضرویہ جہاں رسیدہ بزرگ بڑے دریا دل تھے غریبوں کی امداد میں وہ قرج اٹھانے سے بھی دریغ نہ کرتے اور ہدیہ وصول ہنے پر پائی پائی چکا دیتے۔پیغمبرؐ کا ارشاد ہے کہ بازاروں میں فرشتہ پکارتا رہتا ہے کہ اے خدا سخیوں کو تو رزق پر رزق دے اور بخیلوں کا مال تلف کر۔

جب شیخ موصوف مرض موت میں گرفتار ہوئے تو ان کے سر چار سو دینار قرض تھا۔ قرض خواہوں کو فکر ہوئی کہ یہ تو فوت ہو رہے ہیں چلو ان سے قرض وصول کریں۔شیخ کے پاس اس وقت کچھ نہ تھا۔دام داروں نے سختی سے تقاضا شروع کیا۔نا امیدی سے ان کے دل بیٹھے جاتے تھے۔اور درد اٹھ رہا تھا۔شیخ نے کہا ان بدگمانوں کو دیکھو کیا یہ جانتے ہیں کہ خدا چار سو دینار نہیں بھیج سکتا۔اسی اثنا میں ایک لڑکا حلوے کا خوان اٹھائے بیچنے کے لیے آ گیا۔شیخ نے خادم کو اشارہ کیا کہ سارا حلوہ خرید لو اور قرض خواہوں کے سامنے رکھ دو۔

نصف دینار پر حلوے کا سودا ہو گیا۔اور شیخ نے دام داروں کو اشارہ کیا کہ یہ حلوہ تمہارے لئے حلال ہے کھاؤ۔چنانچہ وہ فوراچٹ کر گئے۔لڑکے نے کہا شیخ قیمت ادا کرو۔شیخ نے فرمایا لڑکے میں تو پہلے ہی قرض دار ہوں تجھے کہاں سے دوں۔میں تو مر رہا ہوں۔لڑکے نے غم وغصہ کھا کر برتن زمین پر دیمارا اور کہنے لگا۔یہ دیکھو صوفیوں کا حال کتوں کی طرح حریص اور بلیوں کی طرح منہ صاف کرنے والے۔ لوگو آؤ مجھ پر کیا ظلم ہو رہا ہے۔مجھے تو استاد مار ڈالے گا۔غوغا سن کر خلقت جمع ہو گئی۔ قرض خواہوں نے چلانا شروع کر دیا۔اور کہا واہ شیخ ہمارا مال بھی اڑا گئے۔اور اس غریب لڑکے کو بھی لوٹ لیا۔شیخ ان کی بکواس سن کر چپ تھے۔منہ لحاف میں چھپا کر لیٹ رہے۔

قرض خواہ شور مچاتے رہے اور لڑکیا رو رہا تھا۔کہ ایک ارادت مند کی طرف سے

خوان آیا۔جس میں پورے چار سو دینا تھے۔۔اور ایک کاغذ میں نیم دینارا لگ سے لپٹا ہوا تھا۔شیخ نے فرمایا آؤ دام دارو آؤ پائی پائی وصول کرلو۔خدا نے مجھے تم سے اور حلوہ فروش لڑکے سے سرخرو کیا۔

قرض خواہ بہت شرمندہ ہوئے اور پکارے اے خداوندان راز کے خداوند یہ کیا بھید تھا۔ہم اندھے اور بہرے تھے ہمیں معاف کردو۔ہم نے بڑی فضول باتیں کی ہیں۔ہم نے اندھوں کی طرح لاٹھی چلا کر قندیلوں تو توڑ دیا۔ہم نے حضرت موسیٰ کے قصے سے بھی نصیحت نہیں پکڑی اور خضر کی صحبت سے محروم ہو گئے۔

شیخ نے فرمایا میں نے تمہیں معاف کردیا۔یہ مشکل لڑکے کی گریہ وزاری سے آسان ہوگئی۔اسی کے رونے سے خدا کی بخشش کا دریا جود میں آیا۔اور قرض دار ہو گیا۔یعنی خدا کی درگارہ میں گڑگڑا کر رونا حصول مراد کی ضمانت ہے۔

طمانچہ

ایک شخص نے دوسرے کی ٹانٹ پر اس زور سے چانٹا لگایا کہ اس سے تڑاق کی آواز نکلی۔ اس کو ضرب بڑی شاق گزری شدت درد سے بیتاب ہو کر وہ بہت تڑپا اور مرنے مارنے پر تیار ہو گا۔ اس نے آستین چڑھالیں اور آگے بڑھ کر اسے جواب میں چانٹا رسید کرنے ہی کو تھا کہ مارنے والا کہنے لگا کہ میں مار کھانے کو حاضر ہوں مجھے پہلے اس بات کا جواب دے کہ یہ جو تڑاق کی آواز تو نے سنی ہے وہ تیرے نزدیک کس چیز کی تھی۔ وہ میرے ہاتھ سے نکلی یا تیرے سر سے پیدا ہوئی۔ مار کھانے والا بولا کہ مجھے درد ہو رہا ہے۔ میری جان پر بنی ہوئی ہے۔ ایسے حال میں مجھے اتنا سوچنے کی فرصت کہاں کہ آواز نکلنے کے مقام کا پتہ بتاؤں۔ مجھے جلد ایک چانٹا لگانے دے تا کہ مجھے بھی غور و فکر کا موقع ملے۔ پھر ہم دونوں چانٹے کھا کر یہ مسئلہ حل کرلیں گے۔ کیونکہ اپنی گردن جبھی دکھائی دے سکتی ہے جب بامقابل دو شیشے رکھے جائیں۔

دوسرے کی تکلیف کا احساس جبھی ہو سکتا ہے جب خود تکلیف میں پڑیں۔

حضرت سلیمانؑ کا دربار

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے دربار میں ایک شخص انتہائی خوفزدہ حالت میں بھاگتا ہوا آیا حضرت سلیمانؑ نے اس سے اس کی گھبراہٹ کا سبب پوچھا تو وہ کہنے لگا کہ آج مجھ پر ابھی ابھی حضرت عزرائیلؑ نے ایسی نظر ڈالی ہے جو بڑی غضب ناک معلوم ہوتی ہے میں اس وجہ سے ڈر گیا ہوں کہ کہیں میری جان ہی قبض نہ کر لے۔ حضرت سلیمانؑ نے اس سے دریافت کے اکہ اب تم کیا چاہتے ہو؟ وہ کہنے لگا کہ آپ ہوا کو حکم فرمائیں تا کہ وہ مجھے اس جگہ سے ہندوستان میں پہنچا دے اس طرح ہو سکتا ہے کہ میری جان بچ جائے۔ چنانچہ حضرت سلیمانؑ نے ہوا کو اس شخص کے ہندوستان پہنچانے کا حکم دے دیا ہوا نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور اس شخص کو ہندوستان کی سرزمین میں جا کر اتار دیا۔

دوسرے دن جب حضرت سلیمانؑ کا دربار لگا تو عزرائیلؑ سے پوچھا کہ اے عزرائیل! کل ت م نے اس شخص کو غصے کی نظر سے کیوں دیکھا تھا؟ حضرت عزرائیلؑ نے جواب دیا، اے اللہ کے پیغمبر میں نے جب کل اس شخص کو دیکھا تھا تو مجھے بڑی حیرت ہوئی تھی اور میں نے حیرت کے عالم ہی میں اس کی طرف دیکھا تھا کیونکہ مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ اس شخص کی جان آج ہی بھی اس کا ہندوستان میں نکال لو۔ اس شخص کو یہاں دیکھ کر میرا حیران ہونا بجا تھا کیں کہ میں یہ سوچ کر حیران و پریشان ہوا کہ اگر اس شخص کے سو پر بھی ہوں تو پھر بھی اس کا ہندوستان میں پہنچنا انتہائی مشکل اور ناممکن ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہندوستان تو میں نے اس شخص کو وہاں پر دیکھا اور اس کی جان قبض کر لی۔

مکار وزیر

ایک شاعر کسی بادشاہ کے دربار مین حاضر ہوا اور بادشاہ کے سامنے قصیدہ پڑھا اسے امید تھی کہ بادشاہ خوش ہو کر انعام و کرام سے نوازے گا۔ چنانچہ قصیدہ سن کر بہت خوش ہوا اور کہا۔ اس شاعر کو ایک ہزار اشرفیوں کی تھیلی انعام کیطور پر دی جائے۔ بادشاہ کا ایک وزیر نہایت نیک اور غریب پرور آدمی تھا وہ بھی اس وقت دربار میں موجود تھا اس نے بادشاہ کو کہا، جہاں پناہ اگر جان کی امان پاؤں تو عرض کروں، بادشاہ نے اسکو بات کرنے کی اجازت دی تو وہ کہنے لگا، آپ جیسے سخی بادشاہ کی طرف سے ایک ہزار اشرفیاں دینا بہت کم ہے آپ کے لائق تو یہ بات ہے کہ آپ اس شاعر کو دس ہزار اشرفیاں دے کر رخصت کریں تا کہ وہ خوش ہو اور آپ کی سخاوت کے گن گائے۔ بادشاہ نیو زیر کی اس بات کو پسند کیا اور شاعر کو دس ہزار اشرفیوں کی تھیلی اور خلعت انعام کے طور پر دی۔ اس سے شاعر کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی اور اس کی زبان بادشاہ کی تعریف کرتے نہ تھکتی تھی۔

انعام پانے کے بعد شاعر کو اس بات کی جستجو ہوئی کہ وہ نیک شخص کون ہے جس کی سفارش مان کر بادشاہ نے ایک ہزار کی بجائے دس ہزار اشرفیاں انعام میں دے دیں۔ اس نے لوگوں سے اس بارے میں پوچھا تو اس کو پتہ چلا کہ وہ بادشاہ کا وزیر حسن ہے جو کہ دل کا بڑا اچھا ہے اور ہر ایک کے ساتھ ہمدردی کا برتاؤ کرتا ہے۔ چنانچہ شاعر نے حسن نامی اس وزیر کی شان میں بھی لمبا چوڑا قصیدہ لکھا اور اپنے شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔

اس بات کو ایک مدت گزر گئی شاعر نے خوب دل کھول کر دس ہزار اشرفیوں کا مصرف کیا اس طرح چند ہی سالوں میں اس کے پاس سے تمام اشرفیاں ختم ہو گئیں اور شاعر فقر اور تنگدستی کی وجہ سے محتاج ہو گیا اس نے سوچا کہ اس تنگی کی حالت میں آزمائے ہوئے کے پاس جانا چاہیے یعنی پھر بادشاہ کی خدمت میں حاضری دینی

چاہیے ہوسکتا ہے بادشاہ خوش ہور کر پھر کوئی انعام دے دے اور تنگی کے دن ختم ہو جائیں اس نے دل میں خیال کیا کہ جس بادشاہ کے کرم کو میں دیکھ چکا ہوں اپنی اس نئ ضرورت کو لے کر اس کے پاس ہی دوبارہ جانا مناسب ہے۔

چنانچہ یہ خیال کر کے شاعر نے اس بادشاہ کی شان میں ایک بہت ہی اچھا قصیدہ لکھا اور بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو گیا اسے بڑی تھی کہ بادشاہ پہلے کیطرح اب بھی اس پر اپنا کرم کرے گا اس نے اپنا قصیدہ بادشاہ کیسامنے بڑے ہی پیار اور محبت سے پڑھا بادشاہ سن کر بڑا خوش ہو اور اپنی عادت کیمطابق اس نے ایک ہزار اشرفیاں شاعر کو دینے کا حکم دیا اس مرتبہ شاعر کو وہ وزیر دکھائی نہ دیا جو غریبوں کا ہمدرد اور سخی دل رکھتا تھا۔ کیونکہ وہ وزیر اپنی عمر کے دن پورے کر کے اس جہان فانی سے رخصت ہو چکا تھا اور اس کی جگہ پر ایک نیا وزیر آ گیا تھا یہ نیا وزیر بڑا بے رحم اور کمینہ شخص تھا۔

بادشاہ نے جب شاعر کو ایک ہزار اشرفیاں انعام دینے کا حکم دیا تو وہ نیا وزیر بادشاہ کے پاس گیا اور کہنے لگا، اے بادشاہ سلامت ! سلطنت کے کاروبار کو چلانے کے لیے ہمیں بہت سے اخراجات کی ضرورت درپیش ہے ایک معمولی شاعر کے لیے اس قدر بخشش مناسب نہیں ہے اگر آپ اس طرح عنایات کرتے رہے تو شاہی خزانہ جلد خالی ہو جائیگا میں اس شاعر کو ایک ہزار کے چالیسویں حصے پر خوش کر لوں گا۔ پاس بیٹھے ہوئے لوگوں نے وزیر سے کہا، یہ شاعر بادشاہ سلامت سے پہلے دس ہزار اشرفیاں انعام میں لے جا چکا ہے اور میٹھے کے بعد کڑوا کھانا کیسے گوارا کرے گا۔ شاہی کے بعد گدائی کو کیسے اختیار رہے۔ لیکن اس کو خوش کر دینا کیونکہ وہ ہماری بھلائی بیان کرنے والا ہے۔ چالاک وزیر کہنے لگا، اے بادشاہ سلامت ! آپ یہ معاملہ میرے اوپر چھوڑ دیں اور مطمئن ہو جائیں میں تو اس شاعر لاکھوں سے نمٹ سکتا ہوں۔ چنانچہ وزیر نے شاعر کو انعام دینے میں ٹال مٹول شروع کر دی اور اس کو

انتظار کی کیفیت میں مبتلا کر دیا موسم گزرتے جا رہے تھے مگر شاعر کو انعام نہ ملتا تھا شاعر جب بھی وزیر کے سامنے اپنی ضرورت ظاہر کرتا ان وزیر اپنے وعدہ میں حیلے بازیوں سے کام لیتا۔ حتیٰ کہ کئی سال گزر گئے وزیر حیلے بہانوں سے شاعر کو ٹالتا رہا انعام کے انتظار میں شاعر نے چارہ بوڑھا ہو گیا اور عاجز آ گیا ایک دن اس نے تنگ آ کر وزیر سے کہا گر مجھے انعام کی رقم نہیں دیتا تو مجھے گالی ہی دے دے یعنی انکار ہی کر دے تا کہ میری امید تو ختم ہو اور میری جانکی خلاصی ہو۔ مجھے تو انتظار نے مار ڈالا ہے اب یا تو انعام دے دے یا پھر کہہ دے کہ یہاں سے چلا جا تا کہ میں واپس جاؤں۔

چالاک وزیر نے شاعر کی جب یہ کیفیت دیکھی تو اس نے انعام کا چالیسواں حصہ یعنی پچیس اشرفیاں شاعر کو دیدیں شاعر اشرفیوں کو دیکھ کر بڑا خوش ہوا اس نے خیال کیے کہ چلو جو ملا وہی سہی۔ لوگوں نے جب شاعر کر یہ انعام ملتے دیکھا تو کہنے لگے اللہ اس نیک وزیر کو اجر دے جو اس دنیا سے چلا گیا۔ اس کی وجہ سے بادشاہ کے انعام کی رقم کئی گنا زیادہ ہو جایا کرتی تھی اب وہ دنیا سے رخصت ہو چکا ہے وہ یقیناً مر گیا ہے مگر اس کا احسان نہیں مراوہ بڑا نے شاعر سے کہا پچیس اشرفیاں کی ہی غنیمت سمجھ اور یہاں سے رات کے وقت ہی نکل جا ورنہ یہ شاطر وزیر کوئی نہ کوئی الزام لگا کر تجھ سے یہ بھی چھین لے گا۔

لوگوں نے شاعر سے بھی کہا کہ ہم نے سیکڑوں تدبیروں اور سفارشوں سے تجھے یہ بخشش دلوائی ہے تم نہیں جانتے یہ وزیر بڑا مکار آدمی ہے۔ شاعر لوگوں کیطرف متوجہ ہوا اور بولا، اے نیک بختو! یہ تو بتاؤ کہ یہ ظالم سپاہی آیا کہاں سے ہے؟ اسکپڑے اتارنیوالے وزیر کا نام کیا ہے؟ لوگوں نے کہا اس ظالم کا نام بھی حسن ہے۔ شاعر نے یہ سنا تو کہنے لگا، ہائے کتنے افسوس کی بات ہے کہ اس نیک وزیر اور برے وزیر کا نام حسن یکساں ہے۔ پہلا وزیر جس کا نام حسن تھا اس کے قلم سے تو سخاوت وھوتی تھی

اور یہ حسن تو اس قابل ہے کہ اس کی بدنما داڑھی سے رسیاں بنائی جائیں ایسا بدفطرت وزیر بادشاہ اور سلطنت کے لیے رسوائی کا باعث ہے۔



وہ شخص تو آفت ہے

ایک شکاری تیر کمان لئے جنگل میں وارد ہوا تو کہرام مچ گیا۔ سب جانور ڈر سے ادھر ادھر بھاگ گے۔ شیر بھی وہاں کہیں موجود تھا۔ یہ دیکھ کر غصے سے لال ہوگیا۔ دھاڑتا ہوا شکاری کے ساتھ لڑنے کو میدان میں آیا۔

""پھٹے ہوئے ڈھول کیطرح کیا شور مچا رہے ہو دیکھو میرا قاصد تمہاری طرف آتا ہے۔ تمہاری پسلیوں کی خبر لے گا۔ میری قوت بازو کا تم سے حال کہے گا۔''

یہ کہہ کر شکاری نے تیر چلایا جو شیر کے پہلے میں لگا۔ شیر بدحواس ہو کر بھاگ نکلا۔ راستے میں اسے ایک لومڑی ملی۔ کہنے لگی۔

""لعنت ہے تم پر۔ شیر ہو کر ایک انسان سے ڈر کر دم دبائے بھاگ جا رہے ہو۔ تم نے شیروں کی آبرو مٹی میں ملا دی ہے رک جاؤ۔ ڈٹ کر مقابلہ کرو''

شیر نے کہا۔"" جاری جا۔ اپنی راہ لے۔ میں ہرگز تیری بات نہ مانوں گا۔ جان جوکھوں میں نہ ڈالوں گا۔ اس شخص سے لڑنے کی کوئی کیا ہمت کرے گا۔ جس کے قاصد نے میری پسلیاں کڑکا دی ہے وہ شخص تو آفت ہے مصیبت ہے بلا ہے''

فریاد

حضرت سلیمانؑ کی جن وانس پر حکومت تھی اور ہوا بھی ان کے حکم کے تابع تھی۔ غرضیکہ ہر چیز آپ کے حکم کی تابع تھی۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ چند مچھر ایک وفد کی صورت میں حضرت سلیمانؑ کے دربار میں حاضر ہوئے اور ہوا کی شکایت پیش کرتے ہوئے کہنے لگے، اے پیغمبر خدا! ہمارا انصاف فرمایئے کیونکہ ہم ہوا کے ظلم سے بہت تنگ آئے ہوئے ہیں وہ ہمیں باغ وگلزار میں کہیں بھی ٹھہرنے نہیں دیتی حضرت سلیمانؑ نے مچھروں کی شکایت سننے کے بعد فرمایا، اے انصاف کے طالب !تمہیں اللہ تعالیٰ کا حکم دل و جان سے سننا چاہیے اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا ہے کہ کسی فریق کی دوسرے فریق کے بغیر بات سننا اور مدعی کا بیان مدعا علیہ کی موجودگی میں ہونا چاہیے کیونکہ جب تک دونوں فریق کچہری میں نہ آ جائیں حاکم کے لیے حق ظاہر نہیں ہوتا مدعی اور مدعا علیہ دونوں کی بات آمنے سامنے سننے سے حق واضح ہو جاتا ہے۔ مدعا علیہ کی غیر حاضری میں مدعی کے بیان پر فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔

چونکہ فریقین کی موجودگی ضروری ہے اس لیے مدعا علیہ کو بھی لے کر آ۔ مچھر نے حضرت سلیمانؑ کی بات کو تسلیم کرتے ہوئے عرض کیا کہ مدعا علیہ آپ کے زیر فرمان ہے۔ اس لیے آپ اس کو حاضری کا حکم دیں۔ چنانچہ حضرت سلیمانؑ نے ہوا کو طالب کر لیا جب ہوا تیزی سے چلتی ہوئی آئی تو مچھر بھاگ اٹھے۔ حضرت سلیمانؑ نے مچھروں سے کہا کہ یہاں پر ٹھہرو تاکہ دونوں کی موجودگی میں فیصلہ کیا جا سکے۔ مچھروں نے بھاگتے ہوئے کہا۔ ہوا کے وجود سے تو ہماری موت ہے جب وہ آ گئی ہے تو ہم کہاں ٹھہر سکتے ہیں کیونکہ وہ تو ہمیں مار ڈالتی ہے۔

اس حکایت سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ حق کی موجودگی باطل میں کبھی بھی نہیں ٹھہر سکتا۔

دعویٰ سچا ہوتا تو......!

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت ذولنون مصری پر جذب کی کیفیت طاری ہو گی اور آپ نے حجرہ سے باہر نکل کر اونچی اونچی آواز ہو حق کے نعرے لگانے شروع ہو گئے نعرے لگاتے لگاتے آپ بازار کیطرف نکل پڑے آپ کے مخالف بعض افرا نے ان مجذوبانہ نعروں کو پسند نہ کیا اور حاکم وقت کے پاس جا کر شکایت کر دی کہ ذولنون مصری بھرے بازار میں شور وغل مچا رہے ہیں اور ہمارے سکون کو برباد کر رہے ہیں اس لیے انہیں گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا جائے حاکم نے فوری طور پر حضرت ذولنون مصری کی گرفتاری کا حکم دیا۔ چنانچہ سپاہیوں نے حاکم کے حکم کی تعمیل میں بازار میں جا کر حضرت ذولنون مصری کو حراست میں لے لیا اور آپ کو گرفتار کر کے قید خانے کی طرف روانہ ہو گئے۔

حضرت ذولنون مصری کے مریدوں اور دوستوں نے جب آپ کو گرفتار دیکھا تو بڑے پریشان ہوئے اور آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ حضرت ذولنون مصری نے جو یہ انداز اختیار کیا ہے۔ضرور اس میں کوئی راز کی بات ہے چنانچہ سب ملکر چلتے ہیں اور حضرت صاحب سے پوچھتے ہیں کہ ڈھنک اختیار کرنے میں کیا مصلحت ہے ؟ یہ سوچ کر وہ سب حضرت ذوالنون مصری کے پاس آئے اور کہنے لگے، یا حضرت! ہم سب آپ کے خیر خواہ اور مرید ہیں آپ کے دوست ہیں آپ کی اس گرفتاری کی وجہ سے ہم سب پریشان اور شش و پنج میں مبتلا ہیں کہ آپ نے جو یہ ڈھنگ اختیار کیا ہے اس میں جو مصلحت پوشیدہ ہے اس کے بارے میں ہمیں کچھ بتائیں۔

حضرت ذولنون مصری نے جذب کی کیفت میں ہی ان سے دریافت کیا کہ کیا یہ سچ بات ہے کہ تم لوگ میرے مرید اور دوست ہو؟ وہ کہنے لگے ہم واقعی آپ کے سچ بات ہے کہ تم لوگ میرے مرید اور دوست ہو؟ وہ کہنے لگے ہم واقعی آپ کے سچے مرید اور دوست ہیں۔ یہ سن کر حضرت ذوالنون مصری نے اپنی لاٹھی زور سے ایک

خیر خواہی کے دعویدار کے سر پر ماری جس سے اس کا سر پھٹ گیا وہ تو سر پٹ وہاں سے بھاگ اٹھا اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا آپ نے فوری طور پر دوسرے کے پیٹ پر ایک زور سے مارا اسے بھی بھاگتے ہی سوجھی آپ کیا سلوک کو دیکھ کر وہ سب جو مرید اور دوست ہونے کے دعویدار تھے میری چند ضربیں بھی برداشت نہ کر سکے اور بھاگ اٹھے۔ آپ انکو بھاگتا ہوا دیکھ کر کھل کھلا کر ہنس پڑے اور فرمانے لگے۔ وہ بھئی واہ یہ دیکھو میرے سچے ہمدرد مرید اور دوست جو کہ مجھ پر اپنی جان قربان کرنے کے دعوی دار تھے میری چند ضربیں بھی برداشت نہ کر سکے اور بھاگ اٹھے ہیں یہ میرا کیا ساتھ دیں گے اگر ان کا دعوی سچا ہوتا تو ہر سختی برداشت کر لیتے مگر میرا ساتھ نہ چھوڑتے۔

بے پرواہ

ایک شخص نے ایک درویش سے پوچھا کہ آپ کی زندگی کس طرح گزرتی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ اس کا حال کیا پوچھتے ہو۔ جس کے اشارے پر دنیا چلتی ہے آسمان، دریا، ستارے، اور ہوا رات دن جس کے حکم میں ہیں۔ آدمی وحوش وطیور اور جن و ملک جس کے تابع رضا ہیں۔ جس کے ارادہ پر تمام دنیا کے کاروبار کا انحصار ہے۔

سائل نے سن کر کہا کہ واقعی آپ کا رتبہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ مگر اس کلام کی ذرا تشریح کر دیجئے تا کہ میری سمجھ میں آ جائے۔ آپ نے فرمایا بات بالکل سیدھی ہے۔ اس میں کچھ پیچیدگی نہیں جو یہ یقین رکھتا ہو کہ خالق کے حکم سے باہر کوئی نہیں اس کے حکم کے بغیر نہ پتہ ہلتا نہ جبہ ملتا ہے وہ دم بھی میں عدم کو موجود اور جہاں کو فنا کر سکتا ہے۔ جو دوستی اور دشمنی اللہ کے لئے رکھتے جو خدا ہی کے لئے جیئے دنیا پر حکمران ہوتا ہے۔ جو شخص نفع ونقصان میں راضی برضائے الٰہی ہو۔ وہ نہ آرام سے بگڑتا ہے نہ تکلیف سے گلا و شکایت کرتا ہے۔ مسلم وہی ہے جو رضائے خدا کے سامنے گردن تسلیم خم کر دے اس کی کشتی اگر دریا سے پار ہو جائے۔ تو وہ ذرا بھر میل دل پر نہ لائے گا۔ کیونکہ اس کے دل میں یقین کامل ہو گا۔ کہ قادر مطلق برا نہیں کرتا۔

قضائے الٰہی

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے دربار میں پرندے حاضر تھے ان پرندوں میں سے ہر ایک اپنے ہنر، عقل اور کاموں کے راز ایک ایک کر کے حضرت سلیمانؑ پر ظاہر کر رہا تھا ہر ایک پرندہ اپنی ہنر مندی کو بیاں کرتے ہوئے خوشی محسوس کر رہا تھا۔ جب ہد ہد کی باری آئی اور اس کی کاریگری اور ہنر کا بیان ہوا تو ہد ہد نے کہا، اے بادشاہ! میں زیادہ باتیں نہیں کرتا میرے پاس ایک چھوٹا سا ہنر ہے۔ حضرت سلیمانؑ نے فرمایا: بتاؤ کون سا ہنر ہے؟ ہد ہد نے جواب دیا جس وقت میں آسمانوں کے اوپر بلندی پر ہوتا ہوں تو زمین کی گہرائی میں پانی کو دیکھ لیتا ہوں کہ وہ کہاں ہے اس کی گہرائی کتنی ہے اس کی رنگ کیا ہے کس چیز سے ابل رہا ہے مٹی سے یا پتھر سے۔ پھر ہد ہد نے کہا کہ آپ سفر کے دوران مجھے ساتھ رکھا کریں۔

چنانچہ حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ تو ہمارے سفر کا ساتھی بن جا تا کو تو لشکر کے لیے پانی دریافت کرے دن ہمارے ساتھ رہ تا کہ لشکر پیاس سے تکلیف نہ اٹھائے۔ اس کے بعد ہد ہد ہر وقت حضرت سلیمانؑ کے ساتھ ساتھ رہنے لگا کوے نے جب ہد ہد کی اس قدر بڑائی دیکھی تو حسد کی وجہ سے اس کا برا حال ہوگیا وہ حضرت سلیمانؑ کے پاس آیا اور کہنے لگا، ہد ہد کا بیان غلط ہے بادشاہ کے سامنے اس طرح کی بات کرنا ادب کے خلاف ہے اور پھر جھوٹی شیخی بگھارنا تو اور بھی بری بات ہے اگر ہد ہد کی نظر اس قدر تیز ہوتی تو یہ شکاری کے جال میں کبھی نہ پھنستا جال کے اندر جو دانہ پڑا ہوتا ہے اس کو کھانے کے لیے آ ٹپکتا ہے اسے دانہ تو نظر آ جاتا ہے مگر جال نظر نہیں آتا اگر اس کی نظر اتنی ہی تیز ہوتی تو اسے دانے کے ساتھ جال بھی نظر آ جایا کرتا۔

حضرت سلیمانؑ نے کوے کی بات سن کر ہد ہد سے فرمایا کہ تیرے لیے یہ بات مناسب ہے کہ تو میرے سامنے شیخی بگھارے اور جھوٹ بولے کوے کے اعتراض کا تمہارے پاس کیا جواب ہے؟ ہد ہد نے جواب دیا۔ اسے بادشاہ! کوے نے یہ بات

حسد کی وجہ سے کی ہے اور حسد کی آگ میں جل کر میرے خلاف باتیں کر رہا ہے اگر میرا دعوٰ غلط ہے اور میرا کہنا ٹھیک نہیں ہے تو ابھی میرا سر گردن سے اتار دیں۔. میری نظر میں تو اللہ تعالٰی نے واقعی یہ کمال رکھا ہے جبکہ کوا اللہ تعالٰی کی قضا کا منکر ہے کیونکہ یہ بات درست ہے کہ میں ہوا میں اڑتا ہوا نیچے زمین پر دانہ اور جال دیکھ لیتا ہوں لیکن جب میری عقل سو جاتی ہے تو میری نظر پر قضا کا پردہ پڑ جاتا ہے اور مجھے جال دکھائی نہیں دیتا۔ اس حاسد کوے نے میری اس خوبی پر تو اعتراض کر دیا جو اللہ تعالٰی کی طرف سے مجھ کو عطا ہوئی ہے مگر اسے تقدیر اور قضائے الٰہی کی حقیقت سمجھ میں نہ آئی۔

اس واقعہ سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ انسان چاہے کتنا عقل مند اور چالاک ہو مگر قضائے الٰہی کے سامنے اس کی کوئی تدبیر کارگر ثابت نہیں ہوتی جو کچھ انسان کے مقدر میں ہو وہ ضرور ہو کر رہتا ہے۔

بداعمال مسلمان

حضرت بایزید بسطامیؒ کے زمانے میں بسطام میں ایک گبر (آتش پرست) رہتا تھا۔جس کی ایک مسلمان سے دوستی تھی۔اس مسلمان کی کوئی بات اسلام کی نہ تھی۔ یعنی جن بری باتوں سے اسلام منع کرتا ہے وہ ان کا مرتکب اور جن کا حکم دیتا ہے۔ ان کے خلاف حامل تھا۔ایک دن یہ مسلمان اپنے دوست گبر سے کہنے لگا کہ عذاب قبر سے ڈر اسلام قبول کر لے۔خدا پر ایمان لے آ۔آگ کی پرستش چھوڑ دے وہ تیری کیامدد کرتی ہے۔اسے سو برس بھی پوجیں پھر بھی وہ دم میں جلا کر خاک کر دے ۔اسے دوست دشمن کی تمیز نہیں۔جو شخص اللہ سے شرک کرتا ہے۔وہ قیامت کے دن بغیر سوال و جواب کے نار جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔خدا سے ڈر اور اس خالق پر ایمان لے آ۔جس نے آگ کو پیدا کیا ہے شرک سے بدتر کوئی چیز نہیں۔

گبر بولا۔میرے سامنے اسلام کے دو نمونے ہیں ایک تو شیخ بایزیدؒ کا اسلام جس سے واقعی اس دین کی شان و عظمت دل میں پیدا ہوتی ہے۔کہ ہر کسی سے محبت حلال کھانا۔حرام سے بچنا،کسی کی طرف غیر نظر سے نہ دیکھنا، ہر وقت اللہ اللہ کرنا،مگر افسوس مجھ میں اتنی قوت نہیں کہ میں ایسا ایمان کامل حاصل کروں۔ایسے اسلام کا تو میں غلام ہوں۔مگر دوسرا اسلام جو تو اپنے اعمال سے پیش کرتا ہے۔اس سے تو کافر رہنا ہی بہتر ہے۔نفس تو چاہتا ہے کہ تجھے جیسا بن جاؤں مگر ضمیر ملامت کرتا ہے کہ اس طرح کھیل کھیلنا اچھا نہیں۔

اسلام واقعی دین فطرت ہے ہر ذی شعور سلیم الفطرت انسان دل سے اس کا گرویدہ ہے۔مگر افسوس! مسلمانوں کا غیر مسلموں کے خلاف رویہ اسلام سے بدظن کئے ہوئے ہیں۔

سوال کا جواب

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا، اے اللہ! تو انسانوں کو پیدا کرتا ہے اور پھر مار دیتا ہے اس میں کیا حکمت ہے؟ بارگاہ خداوندی سے جواب آیا اے موسیٰ! چونکہ میں جانتا ہوں کہ تیرا یہ سوال انکار اور غفلت کی وجہ سے نہیں ہے اس لیے میں درگزر کرتا ہوں ورنہ تجھے سزا دیتا اور غصہ کرتا تو اس لیے معلوم کرنا چاہتا ہے تا کہ عوام کو ہماری حکمتوں سے آگاہ کردے ورنہ تجھے مخلوق کے پیدا کرنے میں ہماری حکمتیں معلوم ہیں۔ اے موسیٰ میں جانتا ہوں کہ تو ناواقفوں کو حکمتوں سے واقف کرنا چاہتا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے فرمایا، اے موسیٰ! تم کھیتی بو دو۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے زمین میں بیج بویا اور] پھر جب کھیتی تیار ہوگئی تو انہوں نے درانتی کیساتھ کھیتی کو کاٹ ڈالا۔ غیب سے ارشاد خداوندی ہوا۔ اے موسیٰ! تم نے خود کھیتی بوئی اور پھر اب اس کو کیوں کاٹ دیا۔ حضرت موسیٰ نے عرض کیا، اے اللہ! کھیتی کے پکنے پر اس میں دانہ اور بھوسہ تھا اور دونوں کو ملا جالا دینا مناسب نہ تھا حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ دونوں کو الگ الگ کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ یہ عقل تم نے کہاں سے حاصل کی؟ حضرت موسیٰ نے عرض کیا کہ یہ عقل و دانش آپ کی عطا کردہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارے سوال کا جواب یہ ہے کہ انسانوں کی روحیں دو قسم کی ہیں ایک پاک اور ایک ناپاک سب انسانی جسم ایک رتبہ کے نہیں ہیں کسی جسم مین موتی جیسی روح ہے اور کسی جسم میں کنج کے پوتھ کی طرح ہے۔ چنانچہ ان روحوں کو بھی اسی طرح ایک دوسرے سے علیحدہ کر دینا مناسب ہے جس طرح گندم کو بھوسے سے تا کہ نیک روحیں جنت میں چلی جائیں اور بری روحیں جہنم میں پہلی حکمت تو مارنے کی تھی پیدا کرنے کی حکمت یہ ہے کہ ہماری صفات کا اظہار ہو جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا، میں پوشیدہ خزانہ تھا میں نے چاہا

کہ میں پہچانا جاؤں لہٰذا میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔ اس واقعہ سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی بھی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں مومن کی بھلائی مضمر ہوتی ہے۔ مومن کی موت بھی مومن کے لیے راحت و مسرت کا پیغام ہوتی ہے اور اس کی دنیا میں آمد بھی خوشی و مسرت کا باعث بنتی ہے۔

ایک بہرہ

ایک شخص کو بہت اونچا سنائی دیتا تھا۔اور وہ کانوں سے کافی بہرہ تھا اتفاق سے اس کا ہمسایہ بیمار ہو گیا دور دور سے لوگ اس کی عیادت کے لیے آنے لگے بہرے کو جب پتہ چلا کہ اس کے ہمسائے کی عیادت کے لیے دور دور سے لوگ آرہے ہیں تو اس نے سوچا کہ اسے بھی اپنے ہمسائے کی عیادت کے لیے ضرور جانا چاہیے کیونکہ ہمسائے کا بڑا حق ہوتا ہے۔پھر اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ میرا ہمسایہ بیمار ہے اور جبکہ میں بہرہ ہوں ظاہر ہے کہ بیمار آدمی آہستہ آہستہ بات کرتا ہے اس لیے وہ بھی آہستہ آواز بات کرے گا۔اور مجھے تو سنائی نہ دے گا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے یہ خیال کر کے بہرہ سوچ میں پڑ گیا کہ کیا طریقہ کر اختیار کیا جائے آخر اس کیدل میں ایک بات آ گئی اس نے سوچا کہ عام طور پر جو بھی کسی بیمار کی عیادت کے لیے جاتا ہے وہ یہ ہوتا ہے کہ اب آپ کیسے ہیں؟ بیمار اس کا یہ جواب دیتا ہے کہ پہلے سے بہتر ہوں۔چنانچہ میں بھی پہلے اس سے یہی پوچھوں گا کہ اب آپ کیسے ہیں؟ تو وہ اس کا یہ جواب دے گا کہ پہلے سے بہتر ہوں میں کہوں گا اللہ کا لاکھ بار شکر ہے۔پھر دوسرا سوال جو عام طور پر مریض سے کیا جاتا ہے وہ یہ ہوتا ہے کہ کس حکیم سے علاج کروا رہے ہو؟ ظاہر ہے کہ مریض کسی مشہور اور اچھے حکیم کا نام لیتا ہے۔میں بھی اس سے دوسرا سوال یہی کروں گا وہ تو واقعی بہت اچھا حکیم ہے اسی سے علاج کرواتے رہنا۔ اس کے بعد عام طور پر بیمار سے کھانے پینے کے بارے میں پوچھا جاتا ہے کہ کون سی غذا کھا رہے ہو؟ عام طور پر بیمار کسی نرم غذا دلیے وغیرہ کا نام لیتا ہے میں بھی اس سے خوراک کے بارے میں پوچھوں گا تو ظاہر ہے کہ وہ کسی نرم غذا کا نام لے گا۔چنانچہ میں کہوں گا واہ واہ بڑی اچھی خوراک ہے اسی کو کھاتے رہنا بڑی فائدہ مند چیز ہے۔

وہ بہرہ اپنے دل میں یہ سب باتیں سوچ کر اپنے بیمار ہمسائے کے گھر جا پہنچا اتفا سے اس وقت بیمار شدت کی تکلیف محسوس کر رہا تھا۔بہرہ جاتے ہی جھٹ بولا، کیا

حال ہے جی اب آپ کا؟ مریض جو کہ بیماری کی وجہ سے چڑ چڑا ہو چکا تھا کراہتے ہوئے بولا مر رہا ہوں بہرہ کہنے لگا، اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ بیمار نے جو یہ بات سنی تو وہ ٹھٹھکا اور حیران ہو کر بہرے کی طرف دیکھا بہرے نے فوراً دوسرا سوال داغا اور پوچھا کس حکیم سے علاج کروا رہے ہو؟ بیمار جو پہلے ہی تنگ تھا کتاتے ہوئے بولا، عزرائیلؑ سے بہر کہنے لگا، وہ تو واقعی بڑا مشہور اور قابل حکیم جو بھی اس سے علاج کرواتا ہے تکلیف سے نجات پاتا ہے۔ میرا تو مشورہ ہے کہ اسی سے ہی علاج کرواتے رہنا تاکہ تمہیں بھی ہر طرح کی تکلیف سے نجات مل جائے۔ یہ سن کر تو بیمار خوب آگ بگولا ہوا کہ یہ کیسا ہمسایہ ہے جو میری عیادت کے لیے آیا ہے یا مجھے اگلے جہان پہنچانے کے لیے آیا ہے وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ بہرے نے تیسرا سوال کر دیا اور پوچھا کہ جناب! آپ کون سی غذا کھا رہے ہیں؟ بیمار جل کر بولا، زہر کھا رہا ہوں زہر بہرہ بولا، ماشاءاللہ! بری ہی اچھی غذا کھا رہے ہیں میرا مشورہ تو یہ ہے کہ بلا ناغہ اس کا استعمال جاری رکھیں۔ انشاءاللہ تعالیٰ اس کے کھانے سے بہت جلد تمام تکلیفیں رفع ہو جائیں گی۔ اب تو بیمار بہت تپ پا ہوا اور انتہائی غصے کی حالت میں چیخ کر بہرے سے بولا، خیریت چاہتے ہو تو ابھی اور اسی وقت میرے گھر سے دفع ہو جاؤ اور آئندہ کبھی میرے گھر آنے کی زحمت نہ کرنا۔ یہ کہا اور بہرے کو گھر سے نکال دیا۔

ریا کاری

ایک واعظ صاحب بڑا خوبصورت جبہ اور قبا نما عمامہ پہنے ہوئے ممبر پر تشریف لائے۔ آپ خوب سر مٹکاتے تھے۔ یہ قبا نما عمامہ صرف ظاہر میں خوبصورت تھا اندر سے وہ ایسا ہی زشت تھا۔ جیسے منافق کا دل کہ دیکھنے میں خوبصورت ٹیپ ٹاپ مگر باطن میں سراسر پاپ۔ واعظ کی پگڑی نہ تھی بلکہ کبر کا ایک طلسم تھا۔ جس میں رعونت بھر ہوئی تھی۔

یہ واعظ صاحب صبح کے وقت ایک کوچہ سے گزر رہے تھے وہاں ایک اچکا گھات لگائے کھڑا تھا۔ ہاتھ میں اندھوں کی طرح لاٹھی لئے ہوئے۔ یہ پاس سے گزرے تو وہ ایک جھپٹا مار کر دستار بازار کی طرف لے اڑا۔ وہ خوشی سے اس طرح دوڑا جا رہا تھا۔ کہ گویا اسے سونے کی کان ہاتھ لگ گئی ہے۔

واعظ نے پکار کر کہا۔ او میاں جانے والے۔ عمامہ کو کھول کر تو دیکھ کہ یہ کیا چیز ہے۔ تو کھول کر اس کا ملاحظہ کر پھر جائے تو تجھے حلال ہے۔ اچکے نے جو اسے کھولا تو اس میں سے دھجیاں اور چیتھڑے گرنے لگے۔ ہاتھ میں صرف ایک کمخواب کا پرانا پارچہ رہ گیا۔ اسی میں کسی استاد درزی نے چیتھڑے بھر کر اسے نمائشی عمامہ بنا دیا تھا۔ چور نے اسے (نمائشی عمامہ) بھی زور سے زمیں پر دے مارا۔ اور کہا مولوی! تو تو ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلنے والا ہے۔ خدا سے ڈر اور دھوکہ بازی چھوڑ دیں خلقت کا ایمان کیوں ٹھگتا ہے۔ یہ عمامہ تجھی کو مبارک ہو۔ ہم تو خیر بدنام تھے ہی مگر تو تو ہمارا گرو گنٹھال نکلا۔

آدمی کو چاہیے کہ ظاہر و باطن ایک رکھے۔ ہاتھ میں تسبیح ہو اور لب پر توبہ مگر دل ذوق گناہ سے پر ہو۔ تو یہ ریا کاری اور عیاری ہے۔

تحفہ

حضرت یوسفؑ جب مصر کے تخت پر جلوہ افروز ہوئے تو چند دنوں کے بعد آپ کا ایک دوست آپ کے دیدار کے لیے دور دراز سے فرطے کرتا ہوا مصر پہنچا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت یوسفؑ نے اپنے دوست کی بہت عزت افزائی فرمائی دونوں دوست کافی دیر تک آپس میں بچپن کی گزری ہوئی باتیں کرتے رہے۔ باتوں باتوں میں حضرت یوسفؑ نے فرمایا: اے میرے دوست! تم جو اتنی دور سے مجھے ملنے کے لیے آئے ہو یہ تو بتاؤ کہ ہمارے لے کیا سوغات لے کر آئے ہو؟ کیونکہ یہ عقل مندی کی بات نہیں کہ دوستوں کے ہاں خالی ہاتھ جایا جائے۔ تم بھی کوئی نہ کوئی تحفہ تو لے کر میرے لیے آئے ہو گے۔

وہ دوست بولا، میں خالی ہاتھ نہیں آیا جب میں نے آپ کیپاس آنے کا اردہ کیا تو میں نے آپ کے لیے بہت سے تحفے ڈھونڈے مگر کوئی بھی تحفہ میری نگاہ میں نہ جچا جو کہ آپ کیشان کے لائق ہوتا مجھے کوئی تحفہ پسند نہیں آ رہا تھا کیونکہ میں سوچتا تھا کہ رائی برابر سونے کو کان کی طرف کیسے بلے جاؤں اور ایک قطرہ سمندر کے سامنے کیا حیثیت رکھتا ہے۔ چونکہ آپ کے حسن کا کوئی ثانی نہیں ہے اس لیے میں نے بہت سوچنے کے بعد یہ مناسب سمجھا کہ ایک آئینہ آپکو پیش کروں تا کہ آپ اپنا خوبصورت چہرہ مبارک اس میں دیکھیں میں آپ کے لیے آئینہ کا تحفہ لے کر آیا ہوں تا کہ جب آپ اس میں اپنا چہرہ مبارک دیکھیں تو مجھے یاد کر لیا کریں۔

یہ کہہ کر اس دوست نے اپنی بغل سے آئینہ نکالا اور حضرت یوسفؑ کو پیش کر دیا۔ اور کہا آپ کے حسن سے بڑھ کر دنیا میں کوئی چیز مجھے دکھائی نہیں دیتی ہے اس لیے میں آئینہ کا تحفہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں تا کہ اس میں آپ اپنے حسن کو دیکھیں۔ حضرت یوسفؑ نے اس تحفے کو خوشی کے ساتھ قبول فرمالیا۔

اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ مومن کو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدم

میں پیش ہونے کے لیے اپنے نیک اعمال کا زیادہ سے زیادہ ذخیرہ اکٹھا کرنا چاہیے تا کہ اس روز کی ملاقات کے وقت شرمندگی نہ اٹھانی پڑے اور رسوائی نہ ہو۔



پگڑی چور

ایک شخص نے اپنے سر پر بہت بڑی پگڑی باندھی ہوئی تھی اور بازامیں سے گزر رہا تھا ایک چور نے جو اس شخص کو اتنی بڑی پگڑی باندھے جاتا ہوا دیکھا تو اس کے دل میں پگڑی چھین کر بھاگ نکلنے کا خیال پیدا ہوا وہ سوچنے لگا اگر اتنی بڑی پگڑی ہاتھ لگ جائے تو اس سے پورے گھر کے لیے کپڑے بن سکتے ہیں۔ چنانچہ یہ سوچ کر چور پگری والے کے پیچھے ہولیا اور موقع تاڑنے لگا کہ کس طرح پگڑی پر ہاتھ صاف کیا جائے جب بازار میں لوگوں کا رش زیادہ ہوا تو چور نے اس موقع کو غنیت جانا اور اچانک ہاتھ بڑھا کر اس شخص کیسر سے پگڑی اچک کر انتہائی تیز رفتاری سے بھاگ اٹھا یہ دیکھ کر پگڑی والا مسکرایا اور با آواز چور کو پکارا، اے بھائی صاحب! اس طرح دوڑ لگانے کی ضرورت نہیں میری طرف سے پگڑی کو تحفہ سمجھو میں پگڑی تمہیں دیتا ہوں لیکن میری ایک بات سن لو پگڑی کی ظاہری حالت پر ہی نہ جانا اسے کھول کر بھی دیکھو تمہیں اس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ چور نے اس شخص کی آواز پر کوئی توجہ نہ دی اور برابر بھاگتا رہا مگر اس نے اس آواز کو سن ضرور لیا تھا۔ بہت دور جا کر چور کو اطمینان کے ساتھ پگڑی کو کھول کر دیکھا تو پہلے تو وہ حیران ہوا پھر مسکرایا کیونکہ ململ کے صرف ایک میٹر کپڑے کے ٹکڑے میں بھوسہ بھرا ہوا تھا۔ پگڑی صرف بظاہر دیکھنے پر ہی بڑی معلوم ہوتی تھی۔

ادھورا علم

ایک نحوی (علم نحو کا عالم) کشتی پر سوار تھا۔ جب کشتی باد موافق کے سہارے مزے سے دریا پر تیرتی جا رہی تھی نحوی نے ملاح سے باتیں کرنا شروع کر دیں اور پوچھا بھائی ملاح! بتا تو نے کچھ علم نحو پڑھا ہے؟ کشتی بان نے کہا۔ مولوی صاحب نحو کیا چیز ہے؟ میں نے تو آج تک اس کا نام بھی نہیں سنا۔ نحوی بولا واہ رے میاں ملاح تو نے تو یونہی اپنی آدھی عمر برباد کر دی۔ ارے جو شخص نحو سے واقف نہیں وہ انسان نہیں حیوان ہے۔ ناخدا یہ سن کر بہت سٹ پٹایا اور لاجواب ہو کر چپ ہو رہا۔ جب کشتی عین دریا کے وسط میں جا رہی تھی۔ تو قضا کار باد مخالف زور چلنے لگی۔ ملاح نے کہا بھائیو! کشتی بچتی نظر نہیں آتی تیر کر پار اترنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ پھر نحوی صاحب سے پوچھا! حضرت آپ کچھ تیرنا بھی جانتے ہیں۔ جواب ملا کہ ہم ساری عمر علم پڑھتے رہے۔ ایسی باتوں کیطرف کبھی (دھیان) خیال ہی نہیں ہوا۔ کشتی بان طنز سے بولا پھر آپ نے ساری عرم یونہی برباد کی۔ یہاں فن شناوری کام آ سکتا ہے۔ علم نحو ڈوبنے سے نہیں بچا سکتا۔

اس حکایت سے ان علماء کو سبق حاصل کرنا چاہیے۔ جو کوئی کسب کوئی فن کوئی ہنر نہیں سیکھتے اور فقط ادھورا علم عربی یا فارسی پڑھ کر لوگوں کے محتاج بن جاتے ہیں۔ اگر وہ ساتھ ہی کوئی کسب بھی سیکھ لیں تو سونے پر سہاگہ ہو جائے۔ دوسروں کی محتاجی نہ رہے۔ اور دلوں پر بے غرضانہ باتوں کا اثر بھی نہ ہو۔

گنجی طوطی

ایک عطار کے پاس ایک ایسی طوطی تھی جو باتیں کرتی تھی اور اپنی خوشنما آواز سے گاہکوں کو اپنی جانب متوجہ کرتی ۔ عطار اس طوطی کو ایک بہت ہی خوبصورت پنجرے میں بند کرکے اپنی دکان میں رکھتا تھا جب بھی دکان پر کوئی گاہک آتا تو طوطی اپنی میٹھی باتوں سے گاہک کو خوش کر دیتی اس طوطی کی وجہ سے عطار کا کاروبار خوب چمک رہا تھا۔ اس کی دکان پر ہر وقت گاہک کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ عطار اپنی اس طوطی کی وجہ سے بڑے فائدے میں تھا۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ عطار کو کسی کام کی غرض سے دکان اکیلی چھوڑ کر جانا پڑ گیا عطار کی غیر موجودگی میں اتفاقاً دکان پر بلی آ گئی بلی نے جب دیکھا کہ دکان پر کوئی نہیں ہے تو اس نے چوہوں کی تلاش شروع کر دی ایک چوہے کے پیچھے وہ ایسی بھاگی کہ طوطی بلی کو دیکھ کر ڈر گئی اور گھبرا کر پنجرے سے باہر نکلنے کے لیے پھڑ پھڑانے لگی چونکہ پنجرہ کا دروازہ بند تھا اس لیے اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہوئی اور پنجرے سمیت عطار کی خوشبو والی بوتلوں پر آ گئی اس سے کئی بوتلیں ٹوٹ گئیں اور خوشبو بہہ کر ضائع ہو گئی۔

جب عطار اپنے کام سے فارغ ہو کر آیا تو دکان کا نقشہ ہی بدلا ہوا تھا تمام بوتلیں گری پڑی تھیں اور ان میں سے کئی ٹوٹی ہوئی تھیں ۔ تمام بوتلوں سے خوشبو نکل کر زمین پر بہی ہوئی تھی اور پنجرہ بوتلوں پر گرا ہوا تھا پنجرے میں طوطی سہمی ہوئی بیٹھی تھی۔ عطار اپنی دکان کا یہ حشر دیکھ کر اپنے آپ میں نہ رہا اس نے خیال کیا کہ یہ ساری شرارت طوطی کی ہے جس نے بوتلوں کے اوپر پنجرہ گرا کر ساری بوتلیں توڑ دی ہیں۔ چنانچہ عطار نے آؤ دیکھا نہ تاؤ غصہ میں آ کر طوطی کے سر پا اس زور سے تھپڑ رسید کیے کہ طوطی کے سر کے بال جھڑ گئے اور وہ سر سے گنجی ہو گئی۔ طوطی عطار سے مار کھا کر اور ڈر گئی اس پر اس قدر خوف طاری ہوا کہ اس نے باتیں کرنا چھوڑ دیا اور خاموشی

اختیار کر لی طوطی کی خوش نما آواز کی بدولت عطار کا کاروبار چمکا ہوا تھا مگر جب طوطی نے چپ سادھ لی تو رفتہ رفتہ دکانداری میں بھی فرق آ گیا۔ اب عطار کی بکری دن بدن کم ہوتی جا رہی تھی کیونکہ گاہک تو طوطی کی خوش نما آواز سن کر اس عطار سے خریداری کرتے تھے۔ طوطی ہر گاہک کو سلام کرتی اور اس سے حال احوال پوچھا کرتی تھی جس سے گاہک خوش ہو جایا کرتا تھا اور عطار سے سودا خرید لیتا تھا۔ عطار اپنے کاروبار کے خراب ہو جانے پر اب تو بڑا پریشان ہوا اور بڑا پچھتایا کہ اس نے خواہ مخواہ غصے میں آ کر طوطی کو مارا اس نے بہتری کوشش کی کہ کسی طرح طوطی دوبار بولنا شروع کر دے اور اس کی دکان کی رونق واپس لوٹ آئے مگر طوطی کسی صورت نہ مانی اور بالکل ہی بولنا چھوڑ دیا بس خاموشی سے بیٹھی رہتی۔ عطار نے پھر بھی ہمت نہ ہاری اور فقیروں اور مسکینوں کو راہ خدا میں خیرات دینا شروع کر دی اس کا مقصد یہ تھا کہ شاید اس طرح اللہ تعالیٰ میری سن لے اور طوطی دوبارہ بولنا شروع کر دے چند دن تک طوطی چپ رہی فقیر آتے اور عطار سے خیرات لیکر اپنی راہ ہو لیتے ایک دن ایک ایسا فقیر ادکان پر آیا جس کا سر گنجا تھا طوطی کی نظر جب اس گنجے فقیر پر پڑی تو وہ اچانک بول اٹھی اور کہا، کیوں جی! آپ نے بھی خوشبو کی بوتلیں توڑی تھیں جو گنجے ہو گئے ہیں۔ پاس کھڑے ہوئے لوگوں نے طوطی کی یہ بات سنی تو ہنس پڑے کہ طوطی نے گنجے فقیر کو بھی اپنی طرح کا سمجھ لیا ہے اور یہ سمجھ بیٹھی کہ میں تو بوتلیں توڑنے کی پاداش میں سر سے گنجی ہوئی اسی طرح یہ فقیر بھی بوتلیں توڑنے کیوجہ سے مار کھا کر گنجا ہو گیا ہے۔

پیارے اللہ میاں

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت موسیٰ کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ آپ نے ایک چرواہے کو راستہ میں دیکھا وہ چرواہا اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے اپنے حال میں مست اللہ تعالیٰ سے یوں گفتگو کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا، اے کریم، اے اللہ، تو کہاں ہے؟ تو میرے پاس آتا کہ میں تیرا نوکر بنوں تیرے جوتے سی دوں تیرے سر میں کنگھی کروں۔ تو میرے پاس تیری خدمتیں کروں تیرے کپڑے سیوں تیرے کپڑوں کو دھوؤں تیرے سر سے جوئیں نکالوں تجھے بکریوں کا دودھ پلاؤں اگر تو بیمار ہو جائے تو میں تیرے غم خوار بنوں۔ تیرے پیارے پیارے ہاتھوں کو چوموں تیرے نازک پاؤں کو دباؤں جب سونے کا وقت آئے تو تیرا بستر صاف کروں اے میرے اللہ! تجھ پر میری جان قربان میری ساری اولاد، اور میرا سارا گھر بار تجھ پر قربان۔ اگر مجھے تیرے گھر کا پتہ مل جائے تو میں ہر روز صبح و شام تیرے لیے گھی اور دودھ لے کر آؤں تیرے لیے پنیر بھی لاؤں اور روغنی روٹیاں بھی لاؤں۔

غرض کہ وہ سادہ لوح چرواہا اسی طرح کی باتیں کہہ رہا تھا اور اپنے حال میں مست ہو کر آہ و زاری کر رہا تھا۔ حضرت موسیٰ نے اس کی یہ باتیں سنیں تو فرمایا اے شخص! تو کس سے مخاطب ہے؟ چرواہے نے کہا، میں اس ذات باری تعالیٰ سے ہم کلام ہوں جس نے ہمیں پیدا کیا ہے یہ زمین اور آسمان جس کے پیدا کرنے سے ظاہر ہوا ہے میں اپنے تعالیٰ سے مخاطب ہوں۔

حضرت موسیٰ نے یہ سن کر فرمایا، ارے بے وقوف تو کہیں پاگل تو نہیں ہو گیا تیری اس گفتگو سے کفر و الحاد پھیلے گا اور دین میں رخنہ پیدا ہوگا۔ کیونکہ تیری یہ باتیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں بالکل کفریہ ہیں۔ کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اس طرح کی خدمت سے بے نیاز ہے۔ اے شخص! تو اپنی ان باتوں سے توبہ کر اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ۔ چرواہا حضرت موسیٰ کی ڈانٹ ڈپٹ سن کر بہت ڈرا اور اس نے کہا

اے موسیٰ۔! تم نے تو میرا منہ سی دیا اور شرمندگی سے میری جان جلا دی۔ ہائے افسوس کہ میں نے انجانے میں کیسی باتیں کہہ دیں لیکن تو اللہ تعالیٰ سے محبت کا اظہار کر رہا تھا مجھے کیا معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ ان سب باتوں سے بے نیاز ہے۔ چرواہے کے دل پر الہٰہ تعالیٰ کا اس قدر خوف طاری ہوا کہ اس نے اپنے کپڑے پھاڑے اور روتا ہوا آہ زاری کرتے ہوئے جنگل کی طرف دوڑ گیا۔

جب چرواہا جنگل کی طرف روتا ہوا بھاگ گیا تو عین اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰؑ پر وحی نازل ہوئی کہ اے موسیٰؑ! تو نے ہمارے بندے کو ہم سے جدا کر دیا وہ چرواہا تو میری عشق میں مبتلا ہو کر ایسی باتیں کر رہا تھا میں بھی بری محبت سے اس کی باتیں سن رہا تھا اسے مجھ سے سچی محبت تھی وہ اپنی محبت کا اظہار کر رہا تھا بے شک میں ان باتوں سے پاک ہوں جو وہ کر رہا تھا مگر وہ چرواہا تو یہ علم نہ رکھتا تھا اس کے دل میری محبت سے سرشار تھا اس کی نیت اچھی تھی اس کے دل میں میری لئے عقیدت و محبت تھی اے موسیٰؑ! میں نے تجھے اس لئے مبعوث فرمایا ہے کہ تو میرے بندوں کو تو مجھ سے جدا کرے جاؤ اور میرے بندے کو جنگل سے واپس لے آؤ۔

جب حضرت موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ سے یہ ناراضی سنی تو اسی وقت جنگل میں چرواہے کے پیچھے بھاگے وہ چرواہا دیوانہ وار سر اٹھائے بھاگتا ہوا نظر آیا۔ حضرت موسیٰؑ نے اسے جا لیا اور فرمایا، تجھے اسی طریقہ پر مناجات کی اجازت مل گئی ہے جو بھی محبت بھرے سے الفاظ تیری زبان پر آئیں تو کہتا رہ اسی لیے کہ تیرا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بلند ہے۔

اس واقعہ سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ شکلوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ نیتوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔

سر کچلا گیا۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک اردھا ایک ریچھ کو کھانے کی غرض سے کھینچ رہا تھا۔ ایک بہادر آدمی نے یہ دیکھا تو فورا ریچھ کے لیے آگے بڑھا اور بہادری سے کام لیتے ہوئے ریچھ کو اردھے کے چنگل سے چھڑا کر اس کی جان بچالی۔ ریچھ نے جب اردھے سے نجات پائی تو وہ اس بہادر شخص کا بڑا ممنون ہوا اور اس کے ساتھ چل پڑا جدھیر وہ شخص جاتا ریچھ اس کے ساتھ ہوتا غرضیکہ دونوں میں بہت دوستی ہوگئی۔

ایک دن شخص تھکاوٹ کی وجہ سے لیٹا ہوا تھا۔ اور ریچھ اس کا محافظ بن کر اس کے نزدیک بیٹھا ہوا تھا ادھر سے ایک شخص کا گزر ہوا اس نے ریچھ اور آدمی کو اس طرح دیکھا تو اس بہادر آدمی سے پوچھنے لگا کہ ریچھ کا کیا معاملہ ہے جو یہ اس قدر دوستی نبھارہا ہے اس پر اس شخص نے اردھے والی ساری کہانی اس کے گوش گزاری کر دی وہ آدمی بڑا دانا اور عقل مند تھا سن کر کہنے لگا، کام تو نے واقعی بہادری والا کیا ہے اور تو ہے بھی بہادر مگر میرے خیال میں تو تھوڑا سا بےوقوف ہے۔ بہادر آدمی کہنے لگا وہ کیسے؟ اس نے کہا، اے بیوقوف! ریچھ کے ساتھ دل نہ لگا اس لیے کہ نادان کی دوستی دشمنی سے بدتر ہے کوئی تدبیر کر کہ جس سے ریچھ تیرا ساتھ چھوڑ دے وہ بولا، خدا کی قسم! تم نے یہ بات حس سے کی ہے ورنہ تو ذرا ریچھ کو تو دیکھ کس قدر میرے ساتھ محبت کا اظہار کر رہا ہے کہ میری محافظت کرتا ہے اس نے کہ، بخدا! میں یہ بات کسی حسد کی وجہ سے نہیں کہہ رہا بلکہ تجھے اچھی بات بتا رہا ہوں نادان کی دوستی سے درگزر کر۔ وہ شخص کسی صورت بھی نہ مانا اور اس کو کھری کھری سنائیں کہنے لگا، تم جاؤ یہاں سے میری فکر نہ کرو۔

جب وہ شخص چلا گیا تو اس بہادر آدمی پر نیند نے غلبہ کیا اور وہ سو گیا ریچھ اس کے چہرے پر بیٹھنے والی مکھیاں اڑانے لگا لیکن مکھیاں پھر بار بار آجاتی تھیں ریچھ نے کئی

باران کو منہ سے اڑایا مگر مکھیوں کا آنا جانا نہ ہوا۔ ریچھ کو مکھیوں پر بڑا سخت غصہ آیا ب وہ دوڑتا ہوا گیا اور پہاڑ پر سے ایک وزنی پتھر اٹھالایا جب مکھیاں پھر اس شخص کے منہ پر بیٹھیں تو ریچھ نے اس سوئے ہوئے کے منہ پر زور سے پتھر مارا تا کہ مکھیاں کچلی جائیں مگرا سکے ساتھ ہی اس شخص کا سر بھی کچلا گیا اور وہ بے وقوفی کی وجہ سے اپنی جان گنوا بیٹھا۔

اس حکایت سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ بے وقوف کی دوستی سے پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ بالاخر نادان کی دوستی انسان کو کسی نہ کسی مصیبت و پریشانی میں مبتلا کر دیتی ہے۔

ایک چور

رات کے پچھلے پہر ایک شخص کو اپنے گھر میں کسی کے چلنے پھرنے کی آہٹ محسوس ہوئی۔ آنکھ کھول کر اس نے دیکھا کہ چور پھر رہا ہے اور اس جستجو میں ہے کہ کوئی چیز ملے تو اسے اڑا کر لے جائے۔ اس نے ہمت کر کے چور کر پکڑ لیا چور نے زور لگایا اور دامن چھڑا کر بھاگ گیا۔ یہ بھی اس کے پیچھے بھاگا۔ آخر کار اس کو گردن سے پکڑ کر اپنے آگے دھر لیا۔

چور کا ایک ساتھی چھپا کھڑا تھا۔ اس نے گھر والے کے مکان پر کھڑے ہو کر آواز دی کہ صاحب! دوڑ کر آئیو۔ میں اکیلا ہوں۔ اور چور دو ہیں۔ یہ سن کر اس نے گرفتار شدہ چور کو تو چھوڑ دیا اور گھر کی طرف دوڑا آیا۔ کہ کہیں چور اس کے بال بچوں کو نہ مار ڈالیں۔

گھر کے پاس اس نے ایک آدمی کھڑا پایا۔ پوچھا چور کہاں ہیں۔؟ اس نے جواب دیا یہیں کہیں ہوں گے۔ یہ دیکھو ان کے قدموں کے نشان۔ آؤ دونوں مل کر ان کو ڈھونڈیں اس نے نشان دیکھے تو معلوم ہوا کہ ایک تو اس کے اپنے پاؤں کے نشان اور دوسرے اس چور کے جس کو ابھی اس نے چھوڑا تھا۔ یہ دیکھ کر اسے معلوم ہوا کہ یہ شخص یا تو چور کا ساتھی ہے اور اس نے مجھے جل دے کر اپنے ساتھی کو چھڑایا ہے یا بے وقوف اور کف پا کے نشاں دیکھ کر اپنی طرف سے بطور خیر خواہی مجھے بلایا ہے۔ خواہ کوئی صورت بھی ہو۔ قصور میرا ہی ہے کہ میں نے قابو آئے ہوئے چور کو چھوڑ دیا۔

یعنی میں نے حقیقت کو پالیا تھا۔ مگر نشان کے پیچھے لگ کر اس کو چھوڑ دیا ہے۔ صفت پرستی شخص کی نظر ہوتی ہے جو صفت اور صفت والے سے محبوب ہو اور جو اس مین گم ہو وہ صفات کی طرف دھیان نہیں کرتا۔

تو ہی تو۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک عاشق اپنے محبوب کے دروازے پر آیا اور دستک دیتے ہوئے کہنے لگا، دروازہ کھولو۔ محبوب نے اندر سے آواز دیتے ہوئے کہا، کون ہے؟ عاشق بولا، میں ہوں تمہارا سچا عاشق۔ محبوب نے آواز لگائی تم ابھی سچے عاشق نہیں ہو اس لیے کہ تجھ میں ابھی ''میں'' موجود ہے جب تک تجھ میں ہے ''میں'' باقی رہے گا تم عشق کے امتحان میں فیل رہو گے اور اس میدان میں تمہارے ناکام ہونے دلیل یہی ہے کہ ابھی تمہارے سر میں تکبر وہ غرور موجود ہے اگر تمہارے سر میں تکبر و غرور نہ ہوتا تو یہ ''میں'' بھی موجود نہ رہتی۔ چنانچہ تم واپس چلے جاؤ اور ہجر و فراق کی آگ میں تڑپ کر اپنی میں ''کو جلا کر آؤ'' عاشق پلٹ کر واپس آ گیا اور ایک سال تک ہجر و فراق کی آگ میں جلتا رہا ایک سال کی مدت کے بعد پھر اپنے محبوب کے دروازے پر آیا اور دستک دی محبوب نے عاشق کی یہ بات سنی تو فوراً دروازہ کھولتے ہوئے کہا، اندر آ جاؤ کیونکہ اب تیرے اور میرے میں کوئی فرق نہیں رہ گیا ہے۔

حکمت

ایک نوجوان نے حضرت موسیٰ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے پیغمبر! مجھے جانوروں کی زبان سکھا دیجئے ہوسکتا ہے میں حیوانات اور درندوں کی زبان سیکھ کر اللہ تعالیٰ کے دین میں کوئی عبرت حاصل کروں کیونکہ میرے خیال میں انسانوں کی تمام باتیں تو دنیاداری کی ہیں ہوسکتا ہے جانوروں کی باتوں کا کوئی اور معمول ہو اور آخرت کے بارے میں ہوں مجھے یہ زبانیں سیکھنے کا بہت ہی شوق ہے۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا، اے بھولے انسان! شاید تجھے ملعون نے بہکایا ہے تیرے یہ شوق ٹھیک نہیں ہے۔ وہ نوجوان کہنے لگا، آپ اس وقت اللہ تعالیٰ کے نائب ہیں اگر آپ مجھے جانوروں کی زبانیں نہیں سکھائیں گے تو میں مایوس ہوجاؤں گا آپ مجھے سکھا دیں آپ کا اس میں کیا نقصان ہے؟ جب اس نوجوان نے بے حد اصرار کیا تو حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے رجوع کیا اور فرمایا! اے اللہ! اگر مین اس کو جانوروں کی زبانیں سکھا دوں تو یہ بات اسلیے نقصان دہ ہوگی اور اگر نہیں سکھاتا تو اس کا دل براہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوا۔ اے موسیٰ اس کو سکھا دو تاکہ اس کو پتہ چلے کہ ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے۔

چنانچہ حضرت موسیٰ نے اس کو جانوروں کی زبانین سکھا دیں اس شخص نے اپنے گھر میں ایک کتا اور ایک مرغ پال رکھا تھا ایک دن صبح کے وقت اس نے آزمائش کرنے کی خاطر مرغ اور کتے کی گفتگو سننے کا ارادہ کیا اس کی خادمہ نے کھانا کھانے کے بعد دسترخوان کو جھاڑا اور اس سے روٹی کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا زمین پر گرمرغ اور کتا دونوں اس روٹی کے ٹکڑے پر جھپٹے مگر مرغ اس کو اچک کر لے گیا۔ کتے نے مرغ سے کہا۔ اے ظالم! تو نے مجھ پر ظلم کیا تو گندم کا گرا پڑا دانہ بھی کھا سکتا ہے۔ جبکہ میں زمین پر گرا پڑا گندم کا دانہ نہیں کھا سکتا۔ یہ روٹی کا ٹکڑا جو کہ میری خوراک ہے اس کو بھی تو نے اچک کر کھالیا ہے۔ یہ ٹکڑا مجھے کھا لینے دیتے تو تمہارا کیا جاتا اب

پتہ نہیں مجھے کھانے کو کچھ ملے یا نہ ملے بھوک سے میرا برا حال ہوا جا رہا ہے۔

مرغ نے کتے کی یہ بات سنی تو کہنے لگا، چپ ہو جا غم نہ کر۔ اللہ تعالیٰ اس سے بہتر تجھے کھانے کو خوراک دے گا۔ کل ہمارے آقا کا گھوڑا مر جائے گا۔ تم پیٹ بھر کر اس کا گوشت کھالینا۔ اس شخص نے جب یہ سنا تو اسی وقت گھوڑا بازار لے جا کر فروخت کر دیا وہ گھوڑا دوسرے دن مر گیا مگر یہ شخص نقصان سے بچ گیا۔ مرغ بے چارہ کتے کے سامنے شرمندہ ہوا کتے نے مرغ سے شکایت کرتے ہوئے کہا، اے مرغ ! تو کس قدر چالاک اور جھوٹا ہے وہ گھوڑا جس کے بارے میں تم نے کہا تھا کہ کل مرے گا اور تم اس کا گوشت جی بھر کر کھانا وہ کہاں ہے؟ مرغ بولا؟ میں جھوٹ نہیں کہتا تھا ہمارے آقا نے اپنا گھوڑا دوسری جگہ فروخت کر دیا اور وہ وہاں جا کر مر گیا اس طرح ہمارا آقا نقصان سے بچ گیا اور اس نے اپنی بلا دوسروں کے سر ڈال دی۔ لیکن کل ہمارے آقا کا خچر مرے گا اور تمہاری عید ہو جائے گی۔ پیٹ بھر کر خچر کا گوشت کھالینا۔

اس شخص نے مرغ کی یہ بات سنی تو فوراً خچر کو بھی فروخت کر دیا اور اس طرح اس نقصان سے بھی بچ گیا۔ اگلے دن کتے نے مرغ سے شکوہ کیا کہ، اے جھوٹوں کے سردار! تو آخر کب تک جھوٹ بولے گا، مرغ کہنے لگا فکر نہ کر کل ہمارے آقا کا غلام بیمار پڑے گا اور رات کو مر جائے گا اس کے رشتہ دار اس کے مرنے پر کتوں اور مانگنے والوں کو روٹیاں دیں گے تجھے بھی کچھ کھانے کو مل ہی جائے گا۔ جب اس شخص نے یہ سنا تو اسی وقت غلام کو فروخت کر ڈالا اور نقصان سے بچ گیا دل میں بڑا خوش ہوتا تھا اور اٹھکیلیاں کرتا تھا کہ میں تھوڑے ہی دنوں میں تین بڑے بڑے نقصانات سے بچ گیا جب سے میں نے جانوروں کی بولیاں سیکھیں ہیں مجھے تو فائدہ ہو رہا ہے۔

جب اگلا دن آیا تو کتے نے پھر مرغ سے کہا، اے بکواسی مرغ ! تیرے پاس

جھوٹ کے علاوہ بھی کوئی بات ہے ؟ مرغ کہنے لگا، جھوٹ بولنا ہماری خصلت میں نہیں ہے ہم مرغ تو مؤسن کی طرح سچ بولنے والے ہیں۔ ہمارے آقا کا غلام مرتو گیا۔لیکن خریدار کے پاس جا کر مرا اور نقصان خریدار کا ہوا۔لیکن ہمارا آقا ہے بڑا بے وقوف جو اپنی بلا دوسروں کے سر ڈال رہا ہے۔اس نے گھوڑا فروخت کر دیا اور وہ گھوڑا خریدار کے پاس جا کر مر گیا پھر اس نے خچر کو بھی بیچ دیا اور وہ بھی خریدار کے گھر جا کر مر گیا اس طرح اس نے اپنا مال بچالیا حالانکہ ایک نقصان بہت سے نقصانات کا دفعیہ ہوتا ہے اگر آقا کا گھوڑا اور خچر اسی گھر میں مرتے تو ہمارے آقا کی جان کا فدیہ ہوتے کیونکہ مال اگر انسان کی جان پر قربان ہو جائے تو وہ نقصان نہیں ہے بلکہ نفع ہی نفع ہے لیکن ہمارے آقا نے اپنی جان پر بلا ڈال کر اپنے مال کو بچایا ہے اور سخت گھاٹے کا سودا کیا ہے۔اب میں تمہیں ایک اور سچی بات بتاتا ہوں کہ کل کو یقیناً ہمارا آقا مر جائے گا اور اس کے غم میں جو لوگ اکٹھے ہوں گے گھر والے ان کے لیے گائے ذبح کریں گے اور طرح طرح کے لذیذ کھانے پکائیں گے اس میں تمہیں بھی بہت کچھ مل جائے گا۔

اس شخص نے جب یہ سنا تو انتہائی تیزی سے دوڑتا ہوا حضرت موسٰی کے پاس آیا خوف کی وجہ سے اس کے چہرے کی رنگت اڑی ہوئی تھی کہنے لگا، اے اللہ کے پیغمبر! میری مدد فرمائیں ۔ بے شک مجھ سے غلطی ہو گئی جو میں نے جانوروں کی بولیاں سیکھنے کا اصرار کیا میں آپ سے معافی مانگتا ہوں مجھے موت کے منہ سے جانے سے بچالیں ۔حضرت موسٰیؑ نے اس شخص کی یہ حالت دیکھی تو فرمایا، اے بے وقوف !اب یہ بات بڑی دشوار ہے کیونکہ آئی ہوئی قضا ٹل نہیں سکتی میں تو اس قضا کو اسی دن دیکھ لیا تھا جو تجھ پر آج نازل ہوئی ہے۔لہذا اب کچھ نہیں ہوسکتا تمہاری موت واقع ہونا اٹل ہے۔چنانچہ اگلی دن اس شخص کا انتقال ہو گا ے۔

ایک بیل اور مچھر

ایک مچھر نے ایک بیل سے کہا۔

"یہ دیکھ کر مجھے سخت حیرت ہوئی ہے۔ تجھے کیا ضرورت ہے کہ اتنا بڑا جسم رکھتے ہوئے دن رات انسان کی غلامی کرتے ہو۔ مجھے دیکھو میں کتنا ناتواں ہوں مگر انسان کا لہو پیتا ہوں۔"

یہ سن کر بیل نے مچھر سے کہا۔

"کیا تو مجھے احسان فراموش سمجھتا ہے۔ سدا اس کی غلامی کیوں نہ کروں۔ وہ میرے لئے چارہ مہیا کرتا ہے میری پیٹھ تھپک تھپک کر مجھے بار بار پیار کرتا ہے۔"

"مچھر نے کہا۔

او بےوقوف! تجھے اس کا تھپکنا لبھاتا ہے۔ اگر وہ مجھے اس طرح تھپک کر پیار کرے تو میری موت ہوجائے اس کا تھپکنا میرے لئے پیام اجل ہے"

آرزو

حضور نبی کریم ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ کے جوانی کے عالم میں ہمیشہ زرہ پہن کر میدان جنگ میں آیا کرتے تھے لیکن بڑھاپے کی حالت میں وہ جب بھی جہاد کے لیے میدان میں آتے تو بغیر زرہ پہنے ہوئے دشمن کی صفوں کو پھاڑتے ہوئے گھس جاتے آپ کی یہ حالت ہوتی تھی کہ میدان جنگ میں بغیر زرہ کے جہاد کے جذبے سے سرشار ہو کر آتے سینہ کھلا ہوا ہوتا بازو برہنہ ہوتے اور سب سے آگے آگے اپنے آپ کو دشمنوں کی صفوں میں ڈال دیتے اور انتہائی بے جگری اور دلیری سے لڑتے۔

ایک دن حضرت حمزہؓ کے دوستوں نے دریافت کیا کہ اے حمزہؓ کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ "جان بوجھ کر اپنے اپ کو اس ہلاکت میں نہ ڈالو"۔ اس کے باوجود آپ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتے ہین اور اس طرح میدان جنگ میں آتے ہیں کہ اپنی جان کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔ حالانکہ جب آپ جوان تھے تو دشمن کی صف کی طرف بغیر زرہ پہنے نہیں جاتا کرتے تھے۔ اب جبکہ آپ بوڑھے اور کمزور ہو چکے ہیں تو انتہائی بے پروائی کے ساتھ تلوار اور نیزہ لے کر جنگ کے میدان میں زور آزمائی کرتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کے تلوار کاٹنے میں بوڑھے کا احترام نہیں کرتی اور نہ ہی بڑے چھوٹے میں تمیز کرتی ہے۔

حضرت حمزہؓ نے جواب میں فرمایا: کہ جب میں جوان تھا اور اسلام قبول نہیں کیا تھا اس وقت دنیا کو چھوڑنا میں موت سمجھتا تھا اور ظاہر ہے کہ موت کی طرف رغبت سے کون جاتا ہے لیکن اب جبکہ میں بوڑھا ہوں مگر اسلام کی دولت سے مالا مال ہوں اب میں موت کو ابدی زندگی کا سبب سمجھتا ہوں۔ اب مجھے دنیاوی زندگی آخرت کی زندگی کے مقابلہ میں بالکل حقیر نظر آتی ہے مجھے موت کا ذرا بھی خوف نہیں میں حضور نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس کا شکر گزار ہوں کہ جن کی وجہ سے موت مجھے یہ عالم

غیب کے اسرار دکھائی دیتے ہیں۔ باقی جو شخص شہادت اور موت کو ہلاکت سمجھتا ہو اس کے لیے یہ حکم ہے کہ

''اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو''

جو شخص شہادت کو اسرار غیبی کا دروازہ کھلنا سمجھتا ہے اس کے لیے تو قرآن پاک میں یہ حکم ہے کہ

''تم جلدی کرو اپنے رب کی مغفرت کی طرف۔''

موت تو خوان نعمت کی طرف دعوت ان لوگوں کے لیے جو اس کو اللہ تعالیٰ کی مہربانی سمجھتے ہیں اور جو لوگ موت کو مصیبت سمجھتے ہیں ان کے لیے یہ بلا ہے۔

اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہر قسم کی دنیاوی غرضوں سے مبرا ہو کر ہی بے جگری اور دلیری سے لڑا کرتے تھے ان کے پیش نظر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا ہوتی ہے اور اس مقصد کے لیے وہ اپنی جان کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔

شکوہ نہ کر

ہرات کا نواب عماد الملک بڑی خوبیوں کا آدمی تھا۔اس کی خوش اخلاقی اور فیاضی کی وجہ رعایا، مسافر، تاجر اور اہل حرفہ الغرض تمام لوگ خوش تھے۔وہ بادشاہ وقت کا وفادار تھا۔اس لیے بادشاہ کا بھی اس پر اعتبار تھا عماد الملک کے پانچ سو وفادار غلام تھے۔جنکو وہ بیٹوں کی طرح آرام اور زیب و زینت سے رکھتا تھا۔ان کی گردنوں میں زریں طوق اور سروں پر جواہر سے جڑے تاج تھے۔اطلس اور کمخواب کی قبائیں اور ان پر گنگا جمنی پٹیاں ان کی شان دوبالا کیئے دیتی تھیں۔

ان شاندار غلاموں کی ٹولیاں شہر میں پھر رہی تھیں کہ ایک غریب مفلس قلاش شخص جو بھوکا اور ننگا تھا نے ان کو دیکھ لیا۔پوچھا یہ رئیس زادے کون ہیں؟ جواب ملا یہ ہرات کے نواب کے نوکر چاکر ہیں۔وہ یہ سن کر حیران رہ گیا اور آسمان کی طرف منہ کر کے کہنے لگا۔اے خدا! اپنے اس بے نوا دبلے پتلے بندے کو دیکھ کر سردی کے مارے دانت بجتے اور بھوک سے آنتیں قل ھو اللہ پڑھ رہی ہیں اور عماد الملک بندہ پرور کے بندوں کو بھی دیکھ کر کتنے موٹے تازے خوش پوش اور با احتشام ہیں۔خوشی، بے فکری، اور فارغ البالی سے ادھر ادھر اتراتے پھرتے ہیں۔یا اللہ بندہ پروری عماد الملک سے سیکھ (نعوذ با اللہ) خالق اور مالک ہونا اور بات ہے مگر بندہ پرور بننا آسان نہیں۔

تقدیرِ الٰہی سے عماد الملک کے عروج کا ستارہ زوال پذیر ہو گیا بادشہ نے اس کو قید کر دیا۔اور اس کے اموال کو ضبط کر لیا۔اس کے وفادار نوکروں کو شکنجوں میں دے کر عذابوں سے مار ڈالا۔صرف اس خطا پر کہ وہ کیوں اپنے آقا کا بھید ظاہر نہیں کرتے درد اور کرب سے تڑپ تڑپ کر جانیں دیں مگر کسی نے بھی اپنے پیارے آقا کید فینوں کا راز نہ بتایا۔یہ سب کچھ اس منہ پھٹ بینوا کیسامنے ہوا۔یہ دردناک منظر دیکھ کر وہ بے ہوش ہو گیا۔اسی عالم بے ہوشی میں ہاتف نے اس کیکان میں آواز دی

کہ اے خدا پر طعن کرنے والے۔ غلاموں کی وفاداری دیکھ اور سوچ کہ تو جس کا بندہ کہلاتا ہے تو بھی اس کا ایسا ہی جاں نثار اور وفادار ہے۔

سخاوت

یہ حضرت عمر فارقؓ کے دور خلافت کا واقعہ ہے کہ سارے شہر میں آگ لگ گئی۔ آگ کے بلند بالا شعلے گھروں باغوں اور دکانوں کو سوکھی لکڑیوں کی طرح جلانے لگے آگ اس قدر تیزی سے بھڑک رہی تھی کہ اس کے شعلے اونچے اونچے درختوں پر بنے ہوئے پرندوں کے گھونسلوں کو بھی جلا رہے تھے آدھے شہر کو آگ کے شعلوں نے اپنی گرفت میں لے رکھا تھا اور آگ برابر برھتی جا رہی تھی آگ بجھانے کی کوئی بھی تدبیر کارگر ثابت نہیں ہو رہی تھی پانی کی مشکیں ڈالنے سے آگ مزید بھڑک اٹھتی یوں معلوم ہوتا تھا کہ پانی بجھا نہیں رہا بلکہ آگ کو تیز کر رہا ہے ایسے لگ رہا تھا۔ جیسے آگ کو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے مدد پہنچ رہی ہو اس کی لپٹیں بڑھتی جا رہی تھی۔

جب لوگ آگ پر قابو پانے میں ناکام ہو گئے تو گھبرائے وہئے حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور کاہ، اے امیر المومنین! ہمارے گھروں باغوں اور دکانوں کو لگی ہوئی آگ پانی سے نہیںن بجھ رہی۔ حضرت عمرؓ نے فرمیا، یہ آگ اللہ تعالیٰ کے قہر کی نشانیوں میں سے ہے آگ تمہارے بخل کی آگ کا شعلہ ہے اور تمہارے بخل کے گناہ کی سزا ہے۔ تم آگ پر پانی ڈالنا چھوڑو اور غریبوں اور حاجت مندوں میں روٹیاں تقسیم کرو آئندہ کے لیے بخل سے توبہ کرو۔

لوگوں نے یہ سنا تو کہنے لگے، اے امیر المومنین! غریبوں اور مسافروں کے لیے ہم نے اپنے دروازے کھول رکھے ہیں حضرت عمر نے فرمایا: تمہاری مہمان نوازی بطور عادت ہے بطور عبادت نہیں ہے تم اپنی شان و شوکت اور خود نمائی کے لیے یہ کام کرتے ہو خوف خدا اور نیاز مندی کی نیت سے نہیں کرتے حضرت عمر فاروقؓ کی بات سن کر ان لوگوں نے دل کھول کر سخاوت کی اور اپنی نیتوں کو درست کر لیا آئندہ کے لیے بخل اور ریا کاری سے توبہ کی۔ چنانچہ شہر والے سخاوت کرنے میں مصروف تھے اور اسی وقت آگ کے شعلے آہستہ آہستہ سرد ہوتے جا رہے تھے تھوڑی دیر میں

شہر میں لگی ہوئی آگ سرد ہوگئی۔

اس واقعہ سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ جبکوئی ب برائی اجتماعی طور پر بہت زیادہ بڑھ جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ کے طور پر کوئی نہ کوئی آفت نازل ہو جاتی ہے۔ جو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے سے ہی ٹلتی ہے۔اس سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ سخاوت کا درجہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بہت بلند ہے۔صدقہ و خیرات دیتے رہنے سے انسان بے شمار آفات ومصائب سے بچا رہتا ہے۔

آبادی کے لیے ویرانی ضروری ہے

دہقان کدال لے کر زمین کھود رہا تھا۔ایک بے وقوف پاس سے گزرا اور کہنے لگا اے کسان! تم کیسے ظالم ہو کہ ہموار زمین کو خراب کر رہے ہو۔ دہقان بولا۔ بے وقوف۔ جا اپنا کام کر تجھے اتنی بھی خبر نہیں کہ ہر ویرانی میں آبادی ہے۔ارے اگر میں زمین کے سینے کو ہل سے نہ چیروں اور اس کے ڈھیلوں کو کدال سے ریزہ ریزہ نہ کروں تو یہ بیج کس طرح قبول کرے گی یہ جو گل وگلزار نظر آرہے ہیں۔ یہ زمین کی ویرانی ہی سے پیدا ہوئے ہیں۔

اگر زمین کو کھودا نہ جائے تو بیل بوٹے کس طرح اگیں۔مٹی کھودنے سے قطع نظر اگر تم اور معاملات پر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ ہر خرابی میں آبادی اور ہر تکلیف میں راحت ہے۔مثلاً جب تک سر بستہ پھوڑے (چغر) میں آبادی چیریں مواد خارج ہو کر جسم تندرست نہیں ہوسکتا۔جب تک خلفوں کو دوا سے نہ جلائیں سوزش کس طرح دور ہوسکتی ہے۔اور شفا کیسے حاصل ہو۔جب تک درزی کپڑے کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے نہ کرے پوشاک تیار نہیں ہوسکتی۔

جب تک بڑھی لکڑی اور لوہار لوہے کو نہ کاٹیں۔مفید طلب اشیاء نہیں بن سکتیں۔ جب تک دواؤں کو کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ نہ کردیں دوائین نہیں بنا سکتے۔قصاب جب تک بکری کو چیر پھاڑ کر قیمہ نہ کر دے کوفتے وغیرہ تیار نہیں ہوسکتے۔جب تک گندم کو چکی میں نہ پیسا جائے کھانا تیار نہیں ہوسکتا۔پس ثابت ہوا کہ ہر آبادی کے لیے ویرانی ضروری ہے۔

آبادی کے لیے ویرانی ضروری ہے

دہقان کدال لے کر زمین کھود رہا تھا۔ایک بے وقوف پاس سے گزرا اور کہنے لگا اے کسان! تم کیسے ظالم ہو کہ ہموار زمین کو خراب کر رہے ہو۔ دہقان بولا۔ بے وقوف۔ جا اپنا کام کر تجھے اتنی بھی خبر نہیں کہ ہر ویرانی میں آبادی ہے۔ارے اگر میں زمین کے سینے کو ہل سے نہ چیروں اور اس کے ڈھیلوں کو کدال سے ریزہ ریزہ نہ کروں تو یہ بیج کر طرح قبول کرے گی یہ جو گل وگلزار نظر آ رہے ہیں۔ یہ زمین کی ویرانی ہی سے پیدا ہوئے ہیں۔

اگر زمین کو کھودا نہ جائے تو بیل بوٹے کس طرح اگیں۔مٹی کھودنے سے قطع نظر اگر تم اور معاملات پر غور کرو تو معلوم ہو گا کہ ہر خرابی میں آبادی اور ہر تکلیف میں راحت ہے۔مثلاً جبن تک سر بستہ پھوڑے (چغر) میں آبادی چیریں مواد خارج ہو کر جسم تندرست نہیں ہوسکتا۔جب تک خلفوں کو دوا سے نہ جلائیں سوزش کس طرح دور ہوسکتی ہے۔اور شفا کیسے حاصل ہو۔جب تک درزی کپڑے کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے نہ کرے پوشاک تیار نہیں ہوسکتی۔

جب تک بڑھی لکڑی اور لوہار لوہے کو نہ کاٹیں۔مفید طلب اشیا نہیں بن سکتیں۔ جب تک دواؤں کو کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ نہ کر دیں دوائین نہیں بنا سکتے۔قصاب جب تک بکری کو چیر پھاڑ کر قیمہ نہ کر دے کوفتے وغیرہ تیار نہیں ہوسکتے۔ جب تک گندم کو چکی میں نہ پیسا جائے کھانا تیار نہیں ہوسکتا۔پس ثابت ہوا کہ ہر آبادی کے لیے ویرانی ضروری ہے۔

بعد ان سب غلاموں کو اور مجھے تین میل تک دوڑائیں پھر ہم سب کو لہسن میں ابلے ہوئے پانی کا ایک ایک گلاس پلائیں تھوڑی دیر کے بعد ہمیں قے آئے گی اور جس نے جو کچھ کھایا ہو وہ قے کے ذریعے سے باہر نکل آئے گا۔ یہ بات سننا تھی کہ سب غلام گھبرا کر ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔ لیکن کچھ کہہ نہ سکتے تھے اور نہ ہی یہ کہہ سکتے تھے کہ ہم ایسا نہیں کریں گے چنانچہ آقا نے حضرت لقمان کے کہنے کیمطابق عمل کیا جب حضرت لقمان سمیت سب غلام دوڑ لگا کر واپس ہوئے تو آقا نے لہسن میں ابلے ہوئے پانی کا ایک ایک گلاس سب کو پلایا اس کی وجہ سے سب قے کرنے لگے حضرت لقمان نے یہ پانی پی کر قے کی تو سوائے پانی کے کچھ بھی نہ نکلا جبکہ دوسرے غلام قے کے ساتھ تمام کھایا ہوا پھل باہر نکالنے لگے جو جو پھل کی نے کھایا تھا وہ قے کے ذریعے باہر نکالتا جا رہا تھا۔ اس طرح حضرت لقمان کی حکمت سے اصلی چور بھی پکڑے گئے اور حضرت لقمان کا مرتبہ اپنے آقا کی نگاہوں میں اور بلند ہو گیا۔

دنبے کی چوری

ایک شخص نے شوق سے دنبہ پاک رکھا تھا۔ دنبہ اس سے قدر مانوس ہوگیا تھا کہ جہاں یہ جاتا دنبہ رسی کے بغیر اس کے پیچھے پیچھے دوڑا آتا۔ ایک دن وہ اس کے پیچھے اس طرح چلا جارہا تھا کہ ایک اچکے نے دیکھ لیا۔ اور دنبہ لے اڑا اس نے پیچھے مڑ کر جو دیکھا تو دنبہ غائب تھا۔ اس نے تلاش میں ادھر بھاگنا شروع کر دیا۔ بدمعاش نے بھی سے دیکھ لیا اور فوراً ایک کنویں میں بیٹھ کر رونے لگا دنبے والا اس کے پاس آیا۔ اور پوچھا۔ اس قدر روتے کیوں ہو۔ کہا کیا بتاؤں۔ تمام عمر کی کمائی لٹ گئی ساری عمر میں پانچ سو دینار جمع کیے تھے جو ایک تھیلی میں بند تھے۔ کنویں سے پانی نکالنے لگا تو تھیلی اس میں گر پڑی۔ اگر کوئی غوطہ زن اس کو نکال دے تو آدھے دینار لے لے۔ دنبے والے کے منہ میں پانی بھر آیا کہ خدا نے میری قسمت کھول دی۔ ایک دنبہ گیا اور بیسیوں مل گئے۔ اسی دم جوتا اور کپڑے اتار کر کنویں میں اتر گیا۔ اور لگا غوطے مارنے چور نے موقع غنیمت جانا اور دنبہ جفت۔ پاپوش اور پارچات لے کر ہوا ہوگیا۔

دنبے والا ڈبکیاں لگا لگا کر تھک گیا۔ بولا تھیلی والے تھیلی نہیں ملتی اوپر سے کوئی جواب نہ آیا۔ باہر آیا تو دیکھا کہ نہ صرف وہ آدمی غائب ہے۔ بلکہ اس کے کپڑے اور جوتے بھی غائب ہیں۔ اب لگا ننگے پاؤں اور برہنہ تن ادھر ادھر بھاگنے مگر حرامی ہاتھ نہ آیا۔ اس نے طمع سے دنبہ بھی گنوایا۔ اور دوسری چیزوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔ جو شخص تھوڑی چھوڑ کر زیادہ کا لالچ کرتا ہے وہ بالکل محروم ہو جاتا ہے۔

دعا قبول ہوئی۔

یہ حضرت عمر فارقؓ کے دور خلافت کا واقعہ ہے کہ ایک سارنگی بجانے والا گویا بہت مشہور تھا اس کی آواز اس قدر خوش کن تھی کہ پرندے بھی اس کی آواز سن کر مست ہو جایا کرتے تھے۔ دور دور سے لوگ اس کا گان سننے لے لیے آیا کرتے تھے اس گویے کی آواز سننے والوں کے دلوں میں عجیب مستی اور سرور کی کیفیت پیدا کر دیتی تھی اس کی مسحور کن آواز سنکر دلوں کی دھڑکن تیز ہو جایا کرتی اور عجب مدہوشی کا عالم چھایا جایا کرتا تھا۔ جب تک وہ سارنگی والا گویا جوان رہا اس کی آواز کی دھوم مچی رہی اور اس کی شہرت میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔

جب اسکی عمر ڈھل گئی اور بوڑھا ہو گیا اس کے منہ سے دانت نکل گئے کمر ٹیڑھی ہو گئی وہ آواز کہ رشک کا باعث تھی بوڑھے گدھے کی آواز کی طرح ہوگ ءاب کوئی اس کے پس گانا سننے نہ آتا تھا اس کی آواز کا جادو ختم ہو چکا تھا۔ لوگوں کو اب اس میں کوئی دلچسپی نہ رہی تھی۔ ستر سال عمر کا یہ گویا بڑھاپے کی وجہ سے انتہاءنحیف ہو گے اس کی کمائی کا ذریعہ صرف گانا تھا وہ بند ہو گیا تو نوبت فاقوں تک آ پہنچی وہ پیسے پیسے کا محتاج ہو گیا کھانے پینے لے لیے اس کے پاس کچھ بھی نہ رہا تھا۔ آ کر ایک دن ا س نے خلوص دل کیساتھ اللہ تعالٰی کے حضور گڑ گڑا ا کر دعا مانگی اور کہا، اے اللہ ! تو نے مجھے بہت عمر اور بہت مہلت دی۔ اے اللہ ! تو نے ایک کمینہ پر مہربانیاں کیں میں نے ستر سال گناہ کیے لیکن تو نے مجھ سے ایک دن بھی عطا واپس نہ چھینی اور میرے گناہوں کی پردہ پوشی کرتے ہوئے درگزر فرماتا رہا۔ اے اللہ ! آج میں صدق دل سے تیرے حضور اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں، اے اللہ ! میری توبہ قبول فرما تو ہی میرا پرسان حال ہے مجھ پر رحم فرما۔ یہ کہہ کر اس نے اپنی سارنگی اٹھائی اور مدینہ منورہ کے قبرستان کی طرف آہیں بھرتا ہوا چل دیا۔

قبرستان میں پہنچ کر وہ بہت رویا اور گڑ گڑا کر اللہ تعالٰی سے اپنے گناہوں کی معافی

مانگی روتے روتے وہ سارنگی کا تکیہ بنا کر ایک قبر کے پاس سو گیا۔

جب یہ سارنگی بجانے والا قبرستان میں سویا پڑا تھا تو عین اس وقت جبکہ حضرت عمر فاروقؓ اپنے روزمرہ کے کام میں مصروف تھے اللہ تعالیٰ نے آپ پر نیند طاری کر دی۔ یہاں تک کہ نیند کے غلبے کی وجہ سے آپ اپنے آپ کو سنبھال نہ سکے آپ نے بہت کوشش کی نیند طاری نہ ہو مگر نیند جانے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی آپ کو سخت تعجب ہوا کہ اس وقت سونیکی عادت نہیں ہے، پھر پتہ نہیں نیند کیوں آ گئی ہے۔

جب حضرت عمر فاروقؓ نیند آ گئی اور آپ سو گئے تو خواب میں غیب سے ندا آئی کہ یہ نیند بال مقصد نہیں ہے۔ اے عمرؓ اٹھو اور ہمارے ایک بندہ خاص کو ضرورت سے نجات دلا دو۔ ہمارا ایک خاص بندہ قبرستان میں سو رہا ہے۔ بیت المال؛ سے سات سو دینار نکال کر اپنے ساتھ لے جاؤ اور اس کو دے کر آؤ۔ اس کے ساتھ ہی حضرت عمر فاروقؓ کی جاگ کھل گئی آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور اس خدمت کے لیے کمر بستہ ہو گئے سات سو دینا ساتھ لیے اور فوراً مدینہ منورہ کے قبرستان کا رخ کیا۔قبرستان میں آپ نے ہر طرف تلاش کیا لیکن سوائے اس بوڑھے کے آپ کو اور کوئی دکھائی نہ دیا۔ دل میں خیال کیا کہ یہ بوڑھا اللہ کا خاص بندہ ہو گا۔ چنانچہ پھر قبرستان کا ایک چکر لگایا اور اس بوڑھے کیسوا اور کسی کو نہ دیکھا۔ پھر دل میں خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہمارا ایک خاص بند ہے۔ یہ بوڑھا سارنگی نواز اللہ کا خاص بندہ کیسے ہو سکتا ہے؟ چنانچہ آپ نے قبرستان کا ایک چکر لگایا تلاش کے بعد جب یہ یقین ہو گاے کہ قبرستان میں بوڑھے کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے تو سمجھ گئے کہ یہی اللہ تعالیٰ کا خاص بندہ ہے جو سویا پڑا ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ انتہائی خاموشی اور ادب کے ساتھ اس سارنگی نواز کے نزدیک ہی بیٹھ گئے اتفاق سے حضرت عمرؓ کو چھینک آ گئی چھینک کی آواز سنکر وہ بوڑھا اٹھ بیٹھا اور حضرت عمرؓ کو اپنے پاس دیکھ کر حیران ہو گیا اور کانپنے لگا، یا اللہ! مجھ جیسے خطا

کار کے پاس عمر فاروقؓ کیوں بیٹھے ہیں مجھے لگیا ہے کہ فاروق اعظمؓ کا جلال اور غصہ مجھے گناہ گار کو نہیں چھوڑے گا۔ فاروق اعظمؓ نے جب اس بوڑھے کو خوف زدہ حالت میں دیکھا تو فرمایا، مجھ سے خوف نہ کر کیونکہ میں تو تیرے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوش خبری لے کر آیا ہوں اللہ تعالیٰ تیری بہت تعریف کی ہے اور مجھے تیرے پاس بھیجا ہے اللہ تعالیٰ نے تجھے سلام کہا ہے اور یہ سات سو دینار تیرے لیے بھیجے ہیں۔ اور کہا ہے کہ ان کو خرچ کر، جب ختم ہو جائیں گے تو تمہیں مزید بھیج دیے جائیں گے۔

سارنگی نواز بوڑھے نے جب یہ سنا تو دھاڑیں مار مار کر رونے لگا اور سارنگی کو زمین پر مار کر ریزہ ریزہ کر دیا اور بولا، اے سارنگی! تو ہی خدا سے میرا پردہ تھی تیری وجہ سے میں اللہ کے راستے سے دور چلا گیا تو نے ہی ستر سال میرا خون پیا تیری وجہ سے میرا منہ گناہوں سے کالا ہو گیا۔ پھر بوڑھے نے اپنا سر سجدے میں رکھ دیا اور گڑ گڑا کر کہنے لگا، اے اللہ، تو نے مجھے گناہ گار پر اس قدر کرم کیا کہ خلیفہ وقت حضرت عمرؓ کو میری خدمت کے لیے بھیج دیا میں نے تو کبھی بھولے سے بھی تیرا نام نہیں لیا تھا مگر تو نے مجھ خطا کار اکر اس حالت میں بھی یاد رکھا، اے اللہ! میری اس زندگی پر رحم فرما جو ظلم میں بسر ہوئی افسوس کہ میں نے اپنی عمر کا لمحہ لمحہ ضائع کر دیا میں موت کے تلخ وقت کو بھول گیا تھا، اے اللہ، میں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا ہے، اے اللہ! میں اس کی ت جھ سے داد فریاد چاہتا ہوں میں نے خود اپنے آپ سے اس جہان میں انصاف نہ کیا میری ستر سال کی عمر بے کار گزر گئی۔ اے اللہ! تو نے میرے گناہوں کے باوجود مجھ کو انعام سے نوازا، یہ کہتے کہتے بوڑھے کی ہچکی بندھ گئی۔ اس کا دل اب اس دنیا سے اچاٹ ہو چکا تھا وہ اللہ کے حضورؐ پھر گڑ گڑایا اور کہا، اے اللہ! تو مجھے اپنے پاس بلا لے اب مجھے اس دنیا میں رہنے کی کوئی تمنا نہیں ہے۔ یہ کہہ کر بوڑھا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی دعا قبول ہوئی اچانک وہ گرا

اور اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔

اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ اگر صدق دل سے اللہ تعالیٰ کی بارگہ مے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے توبہ کیجائے تو اللہ تعالیٰ جو کہ غفور ورحیم ہے توبہ کو قبول فرمالیتا ہے اور انسان کی ندامت کے آنسو کو دھونے کا سبب جاتے ہیں۔

............اختتام............

